مواعظِ اختر نمبر ۵۰

راہِ سلوک میں ذکر اللہ کی اہمیت

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ
حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اِدارۂ تالیفاتِ اختریہ
hazratmeersahib.com

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبت ہے
محبت تیرا صدقہ ہے ثمر تیرے نازوں کے

بہ اُمیدِ نصیحت دوستوں کی اشاعت ہے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

یہ انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اپنی حیاتِ مبارکہ میں اپنی جملہ تصانیف پر تحریر فرمایا کرتے تھے۔

احقر کی جملہ تصانیف و تالیفات

مرشدنا و مولانا محی السنۃ حضرت اقدس شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرتِ اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرتِ اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

احقر محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

ضروری تفصیل

نامِ وعظ:	راہِ سلوک میں ذکر اللہ کی اہمیت
نامِ واعظ:	شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ
تاریخِ وعظ:	۱۶ صفر المظفر ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۱/ اکتوبر ۱۹۸۶ء بروز منگل
مقام:	جامعہ اسلامیہ، کامران بلاک، اقبال ٹاؤن، لاہور
موضوع:	ذکر اللہ کے اثرات کا ترتب کب ہوتا ہے؟ ذکرِ بے لذت بھی نفع سے خالی نہیں، ذاکر اور غافل آدمی کے گناہ کا فرق، ذکر کی اقسام، سلوک کی راہ میں شیخ کے ناز اُٹھانے کا انعام
مرتب:	حضرتِ اقدس سید عشرت جمیل میرؔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خادمِ خاص وخلیفہ مجازِ بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ

اشاعت اوّل:	۱۲ محرم ۱۴۳۶ھ مطابق ۵ نومبر ۲۰۱۴ء
اشاعت دوم:	محرم ۱۴۳۸ھ مطابق اکتوبر ۲۰۱۶ء
ناشر:	ادارہ تالیفات اختریہ

بی ۳۸، سندھ بلوچ ہاؤسنگ سوسائٹی، گلستانِ جوہر بلاک نمبر ۱۲ کراچی

فہرست

عنوانات | صفحہ نمبر

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے پھولپور حاضری کے حالات..........۶
حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی حالتِ جذب کی کیفیت..........۷
عاشقِ مولیٰ کی حیات دریائے قربِ حق میں ہے..........۹
اللہ کو کم یاد کرنے والے لوگ معاشرہ سے مغلوب رہتے ہیں..........۱۰
باطنی امراض کی تشخیص کے لئے شیخ کی ضرورت ہوتی ہے..........۱۱
ایک جعلی پیر کا مرید کو زیادہ وظائف بتانے کا قصہ..........۱۲
حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا حکمت بھرا اندازِ تربیت..........۱۳
جنات کے اثرات سے نجات کا آسان علاج..........۱۳
دینی خدمت میں اخلاص پیدا کرنے کا طریقہ..........۱۵
گناہ کے تقاضوں پر عمل نہ کرنے سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے..........۱۶
نسبت مع اللہ اچانک عطا ہوتی ہے..........۱۷
ذکرِ بےلذت کے مفید ہونے کی مثال..........۱۷
ذکر اللہ کا کامل اثر کب ہوتا ہے؟..........۱۹
اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے چند مظاہر..........۲۰
اَلْعَزِیْزُ کے ساتھ اَلْعَلِیْمُ نازل کرنے کی حکمت..........۲۱
اَلتَّوَّابُ کے ساتھ اَلرَّحِیْمُ نازل کرنے کی حکمت..........۲۲
اَلْغَفُوْرُ کے ساتھ اَلْوَدُوْدُ نازل کرنے کی حکمت..........۲۳
اَلْعَزِیْزُ کے ساتھ اَلْغَفُوْرُ نازل کرنے کی حکمت..........۲۳
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا کی تفسیر..........۲۴

ذاکراور غافل کی خطا میں کیا فرق ہے؟..................۲۶
راہِ سلوک میں شیخ کی ڈانٹ برداشت کرنے کا انعام..................۲۷
حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کی تین برکات..................۲۸
صحبتِ اہل اللہ کی برکت سے سب گناہ چھوٹ جاتے ہیں..................۲۹
صحبتِ اہل اللہ میں گناہ چھوٹنے کی مثال..................۳۱
گناہوں کی کثرت کی وجہ حیا کا ختم ہونا ہے..................۳۳
جملہ سالکین کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بشارت..................۳۵
اللہ والوں سے تعلق کا فیضان..................۳۶
تزکیہ کے لئے کسی مزکّی کا ہونا لازم ہے..................۳۷
فلاح کے متعلق دو آیات کے باہمی ربط پر ایک علمِ عظیم..................۳۷
اللہ تعالیٰ کی محبت کی خوشبو نشر ہو کر رہتی ہے..................۳۹
عوام میں اہلِ دین کی ناقدری کی وجہ..................۴۰
یاد کی اقسام..................۴۱
ذکر اللہ کا صحیح مفہوم..................۴۲
آتشی آئینے..................۴۳
جسم اور دل کی بڑے اور چھوٹے بکسے سے تفہیم کی مثال..................۴۴
حسین شکلوں سے دل لگانے والوں کی مثال..................۴۵
تصوف اور صوفی کے لفظ کا استعمال کب ہوا؟..................۴۸
سلوک، تزکیہ اور احسان کے معنی..................۴۹
صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے صوفی کا لفظ استعمال کرنا خلافِ ادب ہے..................۵۰
رفاقتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کا غیبی انتظام..................۵۱
سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ۲؍ واقعات..................۵۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

راہِ سلوک میں ذکراللہ کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○

(سورۃ التوبۃ : آیۃ ۱۱۹)

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے پھولپور حاضری کے حالات

عزیزانِ محترم اور بزرگانِ مکرم! اس مجلس میں جو مضمون عرض کرنا چاہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ مجھے احسن تعبیرات سے نوازش فرمائے، ان بزرگانِ دین کی برکت سے جن کی جوتیاں اٹھانے کا اللہ نے شرف اور توفیق بخشی، جس میں تین بزرگ شامل ہیں۔ سب سے پہلے جب اختر طبیہ کالج میں پڑھ رہا تھا تو اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی۔ وہاں الٰہ آباد میں مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی دامت برکاتہم کی مجلس ہوتی تھی، لہٰذا ان کی خدمت میں آنا جانا شروع ہوا۔ طبیہ کالج سے فارغ ہونے کے بعد جب بیعت کرنے کا مرحلہ آیا تو میرے دل میں سلسلۂ تھانوی کی محبت اتنی زیادہ تھی کہ یہ سوچ رکھا تھا کہ بیعت حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے ہونا ہے ہر چند کہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب سراپا محبت اور عشق اور مستی ہیں لیکن دل میں یہی تقاضا ہوا کہ سلسلۂ تھانوی میں بیعت کی جائے۔ انہی دنوں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کی خبر آئی تو حضرت کے خلفاء میں سے کسی سے مرید ہونے کی تلاش میں تھا کہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں پتا چلا کہ اعظم گڑھ میں

ایک بزرگ رہتے ہیں وہاں ان کا مدرسہ بھی ہے۔ عربی پڑھنے کو بھی میرا دل چاہتا تھا تو سوچا کہ ایسی جگہ عربی پڑھوں جہاں ہمارے نفس کی اصلاح بھی ہو، اللہ تعالیٰ کی محبت بھی نصیب ہو اور ایک اللہ والے کی صحبت بھی ملے اور ہم وہاں عربی بھی پڑھ لیں، حدیث وتفسیر بھی پڑھ لیں۔ میرے بعض دوستوں نے مخالفت بھی کی کہ اگر تم بیت العلوم، سرائے میر میں پڑھو گے تو تم کو دنیا میں کوئی عزت نہیں حاصل ہوگی کیونکہ یہ مدرسہ گمنام ہے، سرائے میر دیہات ہے، چھوٹا سا قصبہ ہے، اور اگر دیوبند یا مظاہر العلوم میں جاؤ گے تو تمہاری سند کی کوئی وقعت اور عظمت بھی ہوگی۔ میں نے کہا کہ مجھے اپنی سند کی عظمت اور وقعت مطلوب نہیں ہے، مجھے تو خدا کے عشق میں ایک جلا بھنا دل چاہیے، جو اپنے سینے میں ایک درد بھرا دل رکھتا ہو، بس مجھے دنیا میں اور کچھ نہیں چاہیے۔ جیسا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

خوشتر از ہر دو جہاں آنجا بود

کہ مرا با تو سر و سودا بود

فرماتے ہیں دونوں جہان میں مجھے وہ زمین بہت اچھی معلوم ہوتی ہے جہاں اے خدا! مجھے آپ کی یاد کی توفیق نصیب ہوجائے، جس زمین پر آپ کا نام لے لوں، وہ زمین مجھے دونوں جہان میں خوشتر اور عزیز تر ہے۔

حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی حالتِ جذب کی کیفیت

تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ بیت العلوم میں ایک اللہ کا عاشق رہتا ہے مولانا شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جو حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں وہاں ہمیں علمِ دین بھی حاصل ہوگا اور اللہ کی محبت بھی سیکھنے کا موقع ملے گا۔ پھر حضرت کے داماد طبیہ کالج میں میرے ساتھ پڑھتے تھے، میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت کی کوئی ایسی ادا بتاؤ کہ جس سے مجھے مناسبت کا علم ہو کہ میرا گذارہ

وہاں ہوگا یا نہیں؟ تو انہوں نے حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی اللہ تعالیٰ کی یاد میں دیوانگی کا کچھ ایسا نقشہ کھینچا کہ میں نے دل میں کہا کہ بس میرا گذارہ یہیں ہوجائے گا، مجھے ایسا ہی پیر چاہیے جس پر شانِ دیوانگی غالب ہو۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت لنگی باندھتے ہیں، گریبان کے بٹن کھلے رکھتے ہیں، بال عجیب حالت میں بکھرے رہتے ہیں اور اللہ کی یاد میں مست رہتے ہیں، کہیں سفر درپیش ہو تو ریل جب اسٹیشن پر آجاتی ہے، گھر سے دو تین فرلانگ پر اسٹیشن ہے، اس وقت حضرت جلدی جلدی اسٹیشن پہنچتے ہیں، پہلے سے کوئی انتظام وغیرہ کی فکر نہیں ہوتی، چادر اٹھا کر بھاگتے ہوئے پہنچتے ہیں تو چادر بھی زمین پر گھسٹ رہی ہوتی ہے، اور کہتے جاتے ہیں کہ جلدی میرا قرآن شریف لاؤ۔

حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو انتظام وغیرہ سے کوئی مناسبت نہیں تھی، بس اللہ کی محبت کی زنجیر میں اپنے کو قید کیا ہوا تھا۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

رو رو اے جاں زود زنجیر بیار
بارِ دیگر آمدم دیوانہ وار

اے جان! جلدی جا اور زنجیرِ محبت لے آ، میں دوبارہ دیوانہ بن رہا ہوں لہٰذا میرے لئے ایک زنجیر لے آ۔ پھر فرمایا ؎

غیر آں زنجیر زلف دلبرم
گر دو صد زنجیر آری بردرم

اے دنیا والو! دنیا والی زنجیر نہ لانا، اگر دنیا کی دو سو زنجیریں بھی لاؤ گے تو میں ان کو توڑ دوں گا مگر میرے اللہ کی محبت کی زنجیریں لاؤ گے تو اس میں مَیں اپنے کو گرفتار کرادوں گا ؎

پابندِ محبت کبھی آزاد نہیں ہے
اس قید کی اے دل کوئی میعاد نہیں ہے

اللہ تعالیٰ کی محبت کی جو پابندیاں ہیں یعنی روزہ، نماز، ذکر و نوافل و تلاوت یہ وہ پابندیاں ہیں کہ کوئی عاشق کبھی یہ نہیں چاہتا کہ کاش کچھ نماز سے چھٹی مل جاتی کیونکہ اس کی حیات اس مچھلی کی طرح ہے جو پانی سے چھٹی نہیں لے سکتی۔ مچھلی کبھی نہیں کہے گی کہ تمام مدرسوں میں، اسکولوں میں جمعہ کی چھٹی ہوتی ہے، مجھے بھی پانی سے الگ ریت یا بالو پر یا جنگل میں ایک دن کے لئے چھوڑ دو یا لاہور میں سیر کرنے جانا چاہتی ہوں۔ بلکہ مچھلی کو دریا چھٹی بھی دینا چاہے کہ اے مچھلیو! ہم تمہیں آج تعطیل دیتے ہیں، ایک جگہ رہتے رہتے طبیعت گھبرا جاتی ہے، شاید تمہارا دل بھی پانی میں رہتے رہتے گھبرا گیا ہو، تو جاؤ! آج لاہور میں شالیمار باغ، عجائب خانہ، چڑیا خانہ، شیر، ہاتھی دیکھ آؤ تو مچھلیاں کیا کہیں گی؟ مچھلیاں یہ کہیں گی کہ بغیر پانی کے ہم زندہ ہی نہیں رہ سکتے اور پانی بھی اتنا ہونا چاہیے کہ میری دُم اور میرا سر سب اس میں ڈُوبا ہوا ہو یعنی ہم بالماء زندہ نہیں رہتے، فی الماء زندہ رہتے ہیں۔

عاشقِ مولیٰ کی حیات دریائے قربِ حق میں ہے

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تفسیرِ مظہری میں آیت اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (سورۃ الرعد: آیۃ ۲۸) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں بِذِكْرِ اللّٰهِ میں جو ''با'' ہے یہ معنی میں فِیْ کے ہے یعنی اللہ کے ذکر کے ساتھ نہیں بلکہ ذکر میں ڈوب کر دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے:

((كَمَا اَنَّ السَّمَكَةَ تَطْمَئِنُّ فِي الْمَآءِ لَا بِالْمَآءِ))

(تفسیر مظہری: (رشیدیہ)؛ سورۃ الرعد؛ ج ۷ ص ۴۰۷)

جیسے مچھلیاں پانی کے ساتھ زندہ نہیں رہتیں بلکہ پانی میں ڈوب کر زندہ اور مطمئن رہتی ہیں، مثلاً مچھلی کا کچھ حصہ تو پانی میں ڈوبا ہوا ہے مگر چار انچ سر پانی سے باہر ہے تو کیا وہ زندہ رہے گی؟ مچھلی بالماء تو ہے یعنی اس کا جسم پانی کے

ساتھ تو ہے لیکن وہ فی الماء نہیں ہے، فی کے معنی غرق ہوجانے کے ہیں یعنی دائیں بائیں اوپر نیچے چاروں طرف پانی ہی پانی ہو، پانی میں غرق ہوجائے تب سکون سے رہے گی۔ اسی لئے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ ہمہ وقت دریائے جلال میں غرق ہیں ؎

ماہیانِ قعرِ دریائے جلال

اللہ والوں کی روحیں اللہ تعالیٰ کے دریائے قرب کی گہرائیوں کی مچھلیاں ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی تشبیہ کو دیکھئے، کیا کمال ہے! اس عاشق کی قبر کو اللہ نور سے بھر دے، اللہ کی محبت سِکھا گیا، مولانا رومی سِکھا گئے کہ اللہ والے کون ہیں؟

ماہیانِ قعرِ دریائے جلال

اللہ والے اللہ تعالیٰ کے دریائے قرب کی گہرائیوں کی مچھلیاں ہیں، یہاں گہرائی کی قید اس لئے لگائی کہ کم پانی میں مچھلی چین سے نہیں رہتی۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اعظم گڑھ میں ایک تالاب تھا، گرمیوں میں اس کا پانی خشک ہونے لگا اور بمشکل ایک ہاتھ پانی رہ گیا، اور جون کا سخت گرمی کا مہینہ تھا تو سارا پانی گرم ہوگیا۔ جب پانی گرم ہوگیا اور مچھلیوں کو پانی کی گہرائی کی ٹھنڈک میں جانے کا موقع نہیں رہا تو سب مچھلیاں بے ہوش ہوگئیں، بے ہوش مچھلیوں کو شکاریوں نے بغیر جال لگائے ہاتھوں سے پکڑ لیا، سب کے مزے آگئے۔

اللہ کو کم یاد کرنے والے لوگ معاشرہ سے مغلوب رہتے ہیں

اسی طرح جب کم ذکر کرو گے تو نور کم پیدا ہوگا، جب نور کم ملے گا تو معاشرہ کی مسموم اور زہریلی ہوائیں اس کے قلب کے پانی کو گرم کردیں گی اور وہ معاشرہ سے مغلوب ہوجائے گا لہٰذا دل میں اتنا نور بننا چاہیے، نور کا دریا اتنا گہرا ہونا چاہیے کہ اللہ کے قرب کے گہرے دریا میں ہمارا دل اور ہماری روح

ڈوبی ہوئی ہوتا کہ جب باہر کا معاشرہ ہم کو اپنی طرف کھینچنا چاہے تو ہم بھاگ کر اللہ کے نور کی گہرائیوں میں پناہ لے لیں۔ جیسے جب سورج کی شعاعوں کے خارجی اثرات دریا کے اوپر کی سطح کو دو تین فٹ گرم کر دیں تو مچھلیاں دس بیس فٹ نیچے جا کر ٹھنڈک میں پناہ لے لیتی ہیں۔اس لئے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے قعر کا لفظ استعمال فرمایا ہے کہ دیکھو! اگر پانی کم ہوگا تو پھر باہر کا معاشرہ تم پر اثر کر جائے گا، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ کم ذکر کرتے ہیں، تلاوت اور ذکر میں غفلت کرتے ہیں تو ان کو باہر کا ماحول متاثر کر دیتا ہے۔

باطنی امراض کی تشخیص کے لئے شیخ کی ضرورت ہوتی ہے

یہاں پر ایک مسئلہ اور عرض کر دوں کہ جو لوگ اللہ والوں سے تعلق قائم کر کے ذکر اللہ کا اہتمام کرتے ہیں اور گناہوں سے بچنے کی فکر بھی رکھتے ہیں تو ان سے بھی کبھی بد نگاہی ہو سکتی ہے۔شہر میں جاتے ہوئے کسی پر نظر پڑ گئی اور فوراً ہٹالی تو یہ پڑنا ہے جو معاف ہے لیکن نظر اکثر پڑتی نہیں بلکہ ڈالی بھی جاتی ہے، نظر پڑنا اور نظر ڈالنا، دونوں میں فرق ہے۔اگر نظر پڑی تھی تو پڑی کیوں رہی؟ ہٹائی کیوں نہیں؟ اچانک نظر تو معاف ہے لیکن پڑنے کے بعد وہ پڑی کیوں رہی؟ یہ جرم ہے۔فوراً نظر ہٹانا چاہیے ورنہ اس کے حسن کا کوئی نکتہ ایسا اچھا لگا کہ دل کو کھینچ لیا اور اس میں مبتلا ہو گیا، مغلوب ہو گیا تو یہ مجرم ہو گیا۔اب ایک غافل آدمی ہے جو کسی بزرگ سے تعلق نہیں رکھتا، کسی اللہ والے کو شیخ نہیں بناتا، کبھی ذکر اللہ نہیں کرتا، جب مرشد ہی نہیں ہے تو ذکر کیا کرے گا؟ جب حکیموں سے تعلق ہی نہیں ہے تو خمیرہ کیا کھائے گا اور اگر کھائے گا تو مرے گا، زیادہ کھا جائے گا کیونکہ اس کی مقدار کا تعین کرنے والا کوئی نہیں ہے۔خمیرہ مروارید، خمیرہ ابریشم چھ ماشہ کھانا چاہیے، اس کو مزہ آیا اس نے ایک چھٹانک کھالیا،

نتیجہ کیا نکلا؟ نتیجہ یہ نکلا کہ رَگوں میں تناؤ پیدا ہوا اور تناؤ سے فالج ہو گیا۔ خمیرہ جات میں جواہرات ہوتے ہیں، جنہوں نے بے اندازہ زیادہ جواہرات کھالئے وہ بعد میں بیمار پڑ گئے۔ تو خمیرے کی بھی مقدار ہے بلکہ ہر چیز کی مقدار ہے، اسی طرح ذکر اللہ کی بھی مقدار ہے جس کا تعین مرشد کرے گا۔ اگر کسی کا مرشد نہیں ہے، شیخ نہیں ہے، بتانے والا طبیب اور روحانی معالج نہیں ہے تو وہ اپنی من مانی سے زیادہ ذکر کرلے گا یہاں تک کہ پاگل ہوجائے گا، پھر شلوار اُتر جائے گی، لوگ سمجھیں گے کہ مجذوب ہو گیا حالانکہ پاگل ہو گیا، نوے فیصد لوگ پاگل ہیں جن کو ہم مجذوب سمجھتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جو بغیر مرشد کے ذکر زیادہ کرلیتے ہیں، جو تحمل سے زیادہ ہوجاتا ہے۔

ایک جعلی پیر کا مرید کو زیادہ وظائف بتانے کا قصہ

اگر کسی کو اپنا مصلح بناتے تو شیخ کے ایکسرے میں پتا چل جاتا ہے کہ آج کل اس کو غصہ کیوں زیادہ آرہا ہے؟ ایک صاحب نے اطلاع دی کہ آپ نے جب سے ذکر بتایا ہے آج کل غصہ بہت آرہا ہے۔ میں نے کہا ذکر بالکل ملتوی کردو اور پانی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر دم کر کے پیو اور صرف درود شریف پڑھو تاکہ اعتدال آجائے۔ ایک آدمی جو آج کل غلط بیعت کررہا ہے، نہ کسی کا تربیت یافتہ ہے نہ اجازت یافتہ ہے، عالم بھی نہیں ہے، انگریزی داں ہے، قرآن کا ترجمہ اور تفسیر بھی غلط کرتا ہے، ایک صاحب غلطی سے اس کے ہاتھ پر چڑھ گئے، اس نے دو ہزار مرتبہ لا الٰہ الا اللہ بتادیا حالانکہ وہ خود کسی سے بیعت نہیں ہے۔ یہ عجیب معاملہ ہے کہ جو خود مربہ نہ بنے اور دوسروں کا مربی بن گیا، شاگرد نہیں بنا اور استاد بن گیا، میڈیکل کالج کی کتابیں دیکھ کر ڈاکٹر بن گیا اور کسی ڈاکٹر کی صحبت نہیں پائی تو وہی سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ والا قصہ ہوا کہ

ایک حکیم قبرستان گیا تو اس نے آستین سے اپنا منہ چھپالیا۔شاگردوں نے پوچھا منہ کیوں چھپایا؟ کہا کہ یہ سب میرے ہی غلط علاج سے مارے ہوئے ہیں، مجھے ان مُردوں سے شرم آرہی ہے۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا حکمت بھرا اندازِ تربیت

تو میں عرض کررہا تھا کہ جعلی پیر نے ان صاحب کو دو ہزار دفعہ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر بتادیا۔ایک دن میرے پاس آکر کہنے لگے کہ یہاں سینہ میں بوجھ معلوم ہوتا ہے، بہت جلن محسوس ہوتی ہے اور غصہ بڑھتا جارہا ہے۔تو میں نے سوچا کہ اگر ان کو بالکل منع کردیتا ہوں تو یہ کہے گا کہ عجیب پیر ہے جو ذکر سے منع کررہا ہے، لہٰذا میں نے کہا تم پانچ سو مرتبہ ذکر کرو اور ڈیڑھ ہزار فی الحال نہ پڑھو، ابھی تمہیں اتنے ذکر کا تحمل نہیں ہے اور روزانہ سیب کھایا کرو۔سیب کی ایک خاصیت یہ بھی بتاتا ہوں کہ اگر کوئی سیب کھاتا رہے گا تو اس کے پاس آسیب نہیں آئے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیب سے دل قوی ہوتا ہے، مقویٔ قلب ہے اور جس کا دل قوی ہوتا ہے اس پر جنات نہیں آتے۔محمد علی کلے کے پاس آج تک جن نہیں آیا کیونکہ جنات بھی جانتے ہیں کہ باکسنگ کا ایک گھونسہ مارے گا تو چاروں خانے چت پڑا ہوں گا۔اسی لئے عورتیں بے چاری چونکہ کمزور ہوتی ہیں یا جو مرد مسلسل بیمار رہتے ہیں، دل ودماغ جن کا ماؤف ہوگیا تو کمزور کو سب ہی ستاتے ہیں۔

جنات کے اثرات سے نجات کا آسان علاج

ہم تو یہ کہتے ہیں کہ چاہے کسی کا دل اندر سے کمزور ہو لیکن اگر کوئی شخص اُس گھر میں جس میں اثرات ہوں، اپنے پاس ایک سریا رکھ لے اور بار بار کہے کہ اگر کوئی جن آیا تو اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا، دوتین آدمی کہتے رہیں تو چند دن بعد اگر جن وہاں سے نہ چلا جائے تو کہئے گا، کیونکہ دل کی بات جن نہیں جانتے، وہ

دیکھتے ہیں کہ یہ بہادر لوگ ہیں اور جنات کی خفیہ پولیس جا کر اطلاع کر دیتی ہے کہ بھئی! وہاں تمہاری خیریت نہیں، وہاں سریا لہرایا جا رہا ہے، اس سے وہ مرعوب ہو جاتے ہیں۔ یہ تو قرآن اعلان کر رہا ہے:

﴿وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا۝﴾

(سورۃ الجن: آیۃ ۶)

ترجمہ: اور بہت سے لوگ آدمیوں میں ایسے تھے کہ وہ جنات میں سے بعضے لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے، سو اِن آدمیوں نے اُن جنات کی بد دماغی اَور بڑھا دی (کہ وہ اس وہم میں مبتلا ہو گئے کہ ہم جنات کے سردار تو پہلے سے تھے اب آدمی بھی ہم کو ایسا بڑا سمجھتے ہیں، بس اس سے بد دماغی بڑھی۔ معارف القرآن)

مفسرین لکھتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا کہ یہ جنگلوں میں رہتے تھے اور یہ تو انسانوں سے ڈرا کرتے تھے، لیکن انسانوں نے ان کی دُہائی دینی شروع کی کہ دُہائی جن بابا کی تو انہوں نے کہا ارے لو بھئی! ہم تو ان سے ڈرتے تھے، یہ خود ہم سے ڈر رہے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں کفار جب سفر میں کسی جنگل یا وادی میں پڑاؤ کرتے تھے تو کہتے تھے:

((اَعُوْذُ بِعَزِيْزِ هٰذَا الْوَادِيْ مِنْ شَرِّ سُفَهَاءِ قَوْمِهٖ))

(معارف القرآن: سورۃ الجن؛ ج ۸ ص ۵۷۰)

کہ اے اس جنگل میں جنوں کے سردار! اپنی قوم کے شریر لوگوں سے ہمیں پناہ دے۔ کفار کے اس قول کے ردّ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ ہے اصل معاملہ ورنہ قوی القلب انسان کے پاس جنات کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ تو میں نے ان صاحب کو سبب بتایا، پھر ایک ہفتہ کے بعد انہوں نے بتایا کہ جلن ختم، بوجھ ختم اور بہت فائدہ محسوس ہوا۔ اب روزانہ عصر کے بعد مجلس میں آنے لگے اور پھر

جعلی پیر کے چکر سے بھی نکل گئے۔لیکن میں نے یکدم اس شخص کی برائی بیان نہیں کی کیونکہ اگر کسی آدمی کا جعلی شیخ سے تعلق ہوتا ہے تو اچانک اس شیخ کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے، پرانا رنگ اکھڑتے اکھڑتے اکھڑتا ہے۔تو جو شخص کسی شیخ کا تربیت یافتہ نہ ہو اس شخص سے تربیت کرانا صحیح نہیں، جو مربہ نہیں بنا اس کو مربی بنانا اپنے کو برباد کرنا ہے۔ایک اندھا دوسرے اندھے کی لاٹھی پکڑ لے تو دونوں گڑھے میں گریں گے لہٰذا اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ جس نے اپنی تربیت کرائی ہو اور کسی شیخ سے اس کو بیعت کرنے کی اجازت بھی ہو، اور علماء اور صلحائے زمانہ اس سے حسنِ ظن رکھتے ہوں تو ایسے شخص کو مربی بنا سکتے ہو۔

دینی خدمت میں اخلاص پیدا کرنے کا طریقہ

خیر! تو میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی تعداد میں طب کے اصول کو بھی سامنے رکھنا پڑتا ہے کہ کس کے لئے کتنا ذکر مفید ہے؟ شیخ کو اصولِ طب کے ساتھ ذکر بتانا چاہیے، اب ایک آدمی دن بھر قرآن شریف پڑھاتا ہے، اسی میں اس کا دماغ گرم ہو جاتا ہے تو ایک تسبیح لا الٰہ الا اللہ سے بھی اس کا سلوک طے ہو جائے گا چونکہ سارا دن جو قرآن پڑھایا، یہ بھی تو ذکر ہے۔ بس وہ یہ نیت کر لے کہ یا اللہ! میں تنخواہ کے عوض نہیں پڑھا رہا ہوں، آپ کے لئے پڑھا رہا ہوں، حبسِ وقت کی وجہ سے تنخواہ لے رہا ہوں، بال بچے بھی ہیں کیونکہ پھر دوسری جگہ کما نہیں سکتا لیکن اگر کہیں سے آپ غیب سے رزق کا کوئی اور بندوبست کر دیں، کہیں سے آپ غیبی خزانہ دے دیں تو اسی دن تنخواہ چھوڑ دوں گا اور مفت میں پڑھاؤں گا۔اس نیت کی برکت سے آپ مخلص ہو گئے، اب آپ فُلوس یعنی پیسوں کے مقابلہ میں قرآن شریف نہیں پڑھا رہے ہیں، خلوص کے مقابلہ میں اب قرآن ہو گیا۔

گناہ کے تقاضوں پر عمل نہ کرنے سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے

میں یہ عرض کررہا تھا کہ بعض نادان لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ذکر کا اور اہل اللہ سے تعلق کا اثر یہ ہونا چاہیے کہ بس اب بالکل ہی دل میں گندہ خیال نہیں آئے گا، کوئی عورت کبھی سامنے آئے گی تو بس یوں معلوم ہوگا کہ یہ کوئی پاخانہ کا ٹوکرا چلا آرہا ہے یا یہ کوئی کھمبا ہے۔ یاد رکھو! تقاضائے معصیت قائم رہتے ہیں کیونکہ یہ تقاضے مغلوب ہوسکتے ہیں، مضمحل ہوسکتے ہیں مگر مرتے دم تک معدوم نہیں ہوسکتے اور نہ ان کو معدوم کرنا فرض ہے، اگر معدوم کرنا فرض ہوتا تو اللہ تعالیٰ پیدا ہی کیوں کرتے؟ وہ تو فرمارہے ہیں:

﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا ۝﴾

(سورۃالشمس: آیۃ ۸)

ہم نے تمہارے اندر مادّۂ نافرمانی بھی رکھا اور مادّۂ تقویٰ بھی رکھا لیکن تم مادّۂ نافرمانی پر عمل نہ کرو، اس لئے کہ مادّۂ نافرمانی کے تقاضوں پر عمل نہ کرنے سے ہی تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ تم اگر بریانی پکانا چاہتے ہو تو بغیر لکڑی جلائے کیسے پکاؤ گے؟ میری لکڑیوں کو بے کار مت سمجھو کہ خدا نے لکڑی کوئلہ کیوں دیا؟ جیسے لکڑی کوئلہ جلانے کے لئے ہوتا ہے، اسی طرح گندے گندے، بُرے تقاضوں کو خدا کے خوف کی آگ میں جلادو، پھر اس سے تقویٰ کی بریانی پک جائے گی۔ اور اگر لکڑی ہی نہ ہو یا گیس ہی نہ ہو، ایندھن ہی نہ ہو تو کیا بریانی پک سکتی ہے؟ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں تقویٰ کا ایندھن اور تقویٰ کی بریانی پکانے کے لئے آگ دے دی ہے، یہ شہوت کی آگ جو ہے اس کو تم کھاؤ مت، لکڑی کھائی نہیں جاتی وہ چولہے کے اندر پتیلے کے نیچے جلتی رہتی ہے۔ لہٰذا کتنی ہی حسین عورت ہو یا حسین لڑکا ہو اور دل اس کو دیکھنے کو چاہے تو اس خواہش پر عمل مت کرو، جب عمل نہیں کیا تو دل پر غم آیا، اسی غم کی آگ سے

تقویٰ کی بریانی پکتی ہے، نسبت مع اللہ پیدا ہوتی ہے، اللہ کی محبت کا درد پیدا ہوتا ہے، ایمان کی حلاوت دل میں داخل ہوتی ہے اور بندہ خدا کی طرف بڑھتا جاتا ہے، بڑھتا جاتا ہے اور قربِ خدا کے زینے چڑھتا جاتا ہے۔ غم اٹھاتے اٹھاتے ایک دن اللہ کو رحم آجاتا ہے اور نسبت کا القاء فرمادیتے ہیں۔

نسبت مع اللہ اچانک عطا ہوتی ہے

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو بھی نسبت عطا کرتے ہیں اچانک عطا کرتے ہیں، نسبت دینے میں تدریج نہیں فرماتے۔ جیسے کوئی مہمان آتا ہے تو کیا وہ بند دروازہ پر ہی کھڑا رہتا ہے؟ دنیاوی مہمان، وزیر اعظم اگر آئے گا تو دروازہ پہلے سے کھول دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی جس قلب کے اندر اپنی نسبت عطا کرتے ہیں اچانک عطا کرتے ہیں مگر اس اچانک کے لئے مجاہدہ بہت دن تک کراتے ہیں اور بتاتے بھی نہیں کہ ہم کب ملیں گے، بس امید رکھو کہ جیسے سب کو اللہ میاں ملے ہیں ویسے ہی ہمیں بھی ملیں گے، بس تم اولیاء اللہ کا طریقہ اور اصول اختیار کئے رہو، جو سینکڑوں سال سے اصول اور اجماع ہے، ایک دن گوہرِ مقصود پاجاؤ گے۔

ذکرِ بے لذت کے مفید ہونے کی مثال

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

گر ز چاہ می کنی ہر روز خاک
عاقبت اندر رسی در آبِ پاک

اگر صاف پانی چاہتے ہو تو کسی کنویں سے ہر روز تھوڑی تھوڑی مٹی نکالتے رہو، یہ نہ دیکھو کہ سوکھی مٹی نکل رہی ہے، یہ دیکھو کہ ساری دنیا میں جو کنویں کھودے جاتے ہیں وہ اسی طرح بالآخر پانی دینے لگتے ہیں۔ بس تم اس کام میں لگ جاؤ،

یہ بھی مت دیکھو کہ اس مٹی میں پانی کی فیصد کیا ہے؟ ورنہ اگر لیبارٹری میں لے جا کر دکھایا کہ بھئی اس مٹی میں کچھ پانی بھی ہے؟ تو وہ کہے گا کہ اس میں پانی کا ایک ذرہ بھی نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ ذرا صبر کرو، مٹی کھودے جاؤ، تین چار دن، ایک ہفتہ میں دس بیس فٹ کھودنے کے بعد اب اس مٹی میں پانی کی تھوڑی تھوڑی نمی محسوس ہوگی، مٹی گیلی گیلی نکلے گی۔ اب چاہو تو لیبارٹری میں دِکھاؤ ورنہ خود تمہارا دل کہے گا کہ بھئی! مٹی میں ٹھنڈک محسوس ہورہی ہے، اس کے اوپر پانی کا اثر محسوس ہورہا ہے۔ لیکن اس کے بعد اَور آگے بڑھو، مزید کھودو، پھر پچاس فیصد پانی اور پچاس فیصد مٹی آئے گی، یعنی اگر کسی کی زندگی پچاس فیصد اللہ والی ہے اور پچاس فیصد گناہوں والی ہے، اللہ اللہ بھی کرتا ہے اور خطائیں بھی کرتا ہے تو مایوس نہ ہو اور کام میں لگا رہے۔ لہٰذا اَور آگے بڑھو، پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ دس فیصد مٹی اور نوے فیصد پانی ہوگا، جس کا نام گدلا پانی، مٹی ملا ہوا پانی ہے، مگر اس گدلے پانی سے بھی اتنی خوشی ہوتی ہے کہ اگر اسے کوئی پی لے تو مرتا ہوا جی جائے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کی آج شرح سنئے ؎

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

مٹی ملا ہوا گھونٹ جب مجنوں کرسکتا ہے، اللہ کی محبت کی شراب کا وہ گھونٹ جس میں مٹی ملی ہوئی ہے، وہ اللہ کے عشق میں پاگل کرسکتا ہے، تو اگر بالکل صاف پانی ملے گا، خدا کی محبت کی بالکل خالص شراب کا کیا عالم ہوگا۔ لہٰذا ابھی دو تین فٹ اَور کھودو تو پھر صاف پانی کا سوتا نکل آئے گا۔ تو یہ ہے طریقہ! اب کوئی اللہ اللہ شروع کرے اور پہلے ہی دن کہے کہ صاحب! کوئی فائدہ محسوس نہیں ہوا تو یہ نادانی ہے۔ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے لکھا کہ اللہ اللہ کرتے ہوئے چھ مہینے ہوگئے مگر کچھ نظر نہیں آیا، نہ جلوہ نظر آیا، نہ روشنی نظر آئی،

نہ کوئی خواب نظر آیا، کیا ملا مجھ کو؟ حضرت نے فرمایا کہ تُو ظالم ہے! تُو جو خدا کا نام لیتا ہے کیا یہ کم انعام ہے؟ یعنی اللہ کا نام لینا کیا معمولی انعام ہے؟ وہ لمحہ جس وقت تم اللہ کہتے ہو سوچو کہ اس وقت تمہاری مٹی کی قیمت کیا ہوتی ہے؟ یہ مٹی اس مٹی سے کہ کوئی ساری دنیا کی نعمتوں کا نام ادا کرے، بیوی، مکان، مدرسہ، سیب، انگور وغیرہ عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا سارے نام لے لو لیکن ایک مرتبہ اللہ کہہ لو، کیا بتاؤں کہ کائنات کی تمام چیزوں کے جو نام لئے، وہ سب ایک طرف رکھ دو لیکن ایک دفعہ جو اللہ منہ سے نکلا اس کی کیا قیمت ہے؟ ارے! یہ اتنا قیمتی ہے کہ اس کی وجہ سے آپ بھی قیمتی بن گئے، وہ ایسے قیمتی ہیں کہ جو اُن کا نام لیتے ہیں وہ بھی قیمتی تسلیم کر لئے جاتے ہیں جبکہ محبت سے نام لیا جائے۔

ذکر اللہ کا کامل اثر کب ہوتا ہے؟

دیکھئے! اب اللہ کا نام لینے کے لئے بھی ایک چیز عرض کرتا ہوں، ایک آدمی دس ہزار دفعہ اللہ اللہ کرتا ہے، اللہ اللہ اللہ اللہ، رٹے جا رہا ہے، بے شک یہ بھی مفید ہے، اللہ کا نام جیسے بھی لیا جائے مفید ہے، حالتِ تشویش میں لے تو مفید، حالتِ غفلت میں لے تو مفید لیکن جو محبت سے اللہ کا نام لیتا ہے اس کا اثر زبردست ہوتا ہے۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

عام می خوانند ہر دم نام پاک
ایں اثر نکند چوں نبود عشق ناک

عام لوگ ہر وقت سبحان اللہ! سبحان اللہ پڑھتے ہیں لیکن یہ کامل اثر نہیں کرتا جب تک عشق ناک نہ ہو یعنی اللہ کا ذکر عشق ناک ہونا چاہیے۔ اب آپ کہیں گے کہ ہم نے خوفناک سنا تھا، غمناک سنا تھا، افسوسناک، عبرتناک، حیرتناک، دردناک، سب سنا تھا، سارے ناک سنے تھے مگر یہ مولانا رومی نے کون سا نیا لفظ عشق ناک سکھا دیا۔ یہ جلال الدین رومی کی مثنوی ہے، جس نے چھ سو برس پہلے

یہ لغت آپ کو بخشی کہ اللہ کا نام لو تو عاشقانہ لو، محبت سے بھرا ہوا لو، اور محبت سے لینے کا حق بھی اللہ کے نام کا ہے کیونکہ آپ کی جان کو، آپ کے جسم کو انہوں نے ہی تو بنایا ہے، اگر ابّا کا نام محبت سے لے سکتے ہو اور ابّا کا نام لے کر آنکھ سے آنسو نکال سکتے ہو تو ربّا کا نام محبت سے کیوں نہیں لیتے ؟

اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے چند مظاہر

تمہاری تخلیق میں باپ کا نطفہ اور ماں کا حیض تو شامل ہے لیکن تمہارے اعضاء کی تشکیل اور تصویر سب کچھ جو ماں کے پیٹ میں بنا یا وہ اللہ نے بنایا۔ تمہارے نطفہ کو اور ماں کے حیض سے اس کی پرورش کا ہونا کیا یہ تمہارے ماں باپ بناتے ہیں؟ یا کوئی سائنسی آلات بناتے ہیں؟ یا یہ خود بخود بن جاتے ہیں؟ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ بناتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ط﴾

(سورۃ اٰلِ عمرٰن: آیۃ ۶)

اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے ماں کے پیٹ میں تمہارے نقشے کو بناتا ہے، آنکھوں کی فٹنگ، کانوں کی فٹنگ، دل، جگر وغیرہ کو اپنی جگہ پر لگانا یہ سب اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ہی جب ہمارے خالق و مالک ہیں، انہوں نے ہی یہ زمین ہمارے چلنے کے لئے بنائی، جب تم زمین پر چلتے ہو تو کیا یہ سوچتے ہو کہ یہ زمین کس نے بنائی ؟ کیا سورج کی روشنی دیکھ کر یہ سوچتے ہو کہ یہ وہ روشنی ہے جس کا کوئی بِل لاہور کے پاور ہاؤس سے نہیں بھیجا جاتا، ستاروں کو آپ دیکھتے ہو کہ یہ بے کار نہیں ہیں، چاند کو آپ دیکھتے ہو کہ یہ بے کار نہیں ہے، یہ سب مقناطیسی نظام اللہ، عزیز اور علیم کی طرف سے ہے:

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ط ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○﴾

(سورۃ یٰسٓ: آیۃ ۳۸)

اللہ نے سورج اور چاند کی مسافتوں کو اور ستاروں کو اور دنیا کے گولوں کو جو اس طرح فضا میں رکھا ہوا ہے، اس کا اندازہ کہ ان میں کتنی کشش ہونی چاہیے کہ ان کا آپس میں ٹکراؤ نہ ہو، ان کا رُوٹ کس طرح سے مقرر ہو، کتنے فاصلے سے رہیں، یہ تقدیر اور اندازہ اللہ نے اپنی دو صفات سے مقرر کیا ہے۔ ایک صفت عزیز یعنی زبردست طاقت سے کُنۡ کہا تو کروڑ ہا کروڑ، ارب ہا ارب من مقناطیس ان کے اندر پیدا ہوگیا۔ لیکن کتنا مقناطیس ہو کہ چاند اور سورج میں فاصلے رہیں اور چاند جو ڈھائی لاکھ میل کے فاصلہ سے سمندر کی لہروں کو کنٹرول کر رہا ہے، اس کا فاصلہ کم یا زیادہ نہ ہو، اسی طرح اگر سورج اور زمین کا درمیانی فاصلہ ساڑھے نو کروڑ میل سے کم ہو جائے تو سورج کی گرمی سے سارا غلہ جل کر خاک ہو جائے، تو اتنے مقناطیس کے اندازے کہ سورج ہمیشہ زمین سے ساڑھے نو کروڑ میل کے فاصلہ پر رہے، چاند ڈھائی لاکھ میل دُور رہے، فلاں ستارے اتنی رفتار پر رہیں، اس کے لئے جس علم کی ضرورت ہے اسے اللہ نے اپنی دوسری صفت علیم سے ظاہر فرمایا کہ اللہ زبردست طاقت اور زبردست علم والا ہے۔

اَلۡعَزِیۡزُ کے ساتھ اَلۡعَلِیۡمُ نازل کرنے کی حکمت

اگر طاقت ہو اور علم نہ ہو تو کیا ہوگا؟ بعض بے وقوف پہلوان بھی ہوتے ہیں، ان میں طاقت تو ہوتی ہے مگر بے وقوف بھی پرلے درجے کے ہوتے ہیں، معلوم ہی نہیں کہ طاقت کا صحیح استعمال کیسے کرنا ہے؟ میں نے بچپن میں سنا تھا کہ پہلوانوں کی گردن پر ان کا استاد گھونسہ مارتا ہے تاکہ ان کی گردن مضبوط ہو جائے، اس کو گستہ کہتے ہیں اور بعض لوگ ردّا مارنا بھی کہتے ہیں، مگر اس سے عقل کم ہو جاتی ہے کیونکہ اعصاب متاثر ہوتے ہیں۔ تو اللہ نے یہ فرمادیا کہ ہماری طاقت کو گھونسے والے پہلوانوں کی طرح مت سمجھ لینا، اللہ تعالیٰ عزیز و علیم ہیں، ہمارا علم بھی کمالِ علم ہے اور طاقت بھی کمالِ طاقت ہے۔

دیکھئے! یہ قرآنِ پاک کا اعجاز ہے کہ جہاں پر جس صفت کا ظہور ہوتا ہے وہاں پر اللہ کا وہی اسم نازل ہوتا ہے، یہی دلیل ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے، چونکہ تخلیقِ کائنات میں، سورج اور چاند کے نظام میں، نظامِ فلکیات وارضیات میں، ان کی مسافتوں میں، اوران کا رُوٹ مقرر کرنے میں کہ صبح سورج مشرق سے نکلے اور مغرب میں ڈوبے، یہ سارا انتظامِ عالم زبردست طاقت اورزبردست علم چاہتا تھا، اگر علم بہت ہو لیکن طاقت نہ ہو تو بھی ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم ہوگا۔ علم تو ہے کہ سیب وہاں رکھا ہے مگر اٹھتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑتا ہے، علم ہے کہ چٹائی رکھی ہے، مہتمم صاحب کہتے ہیں کہ چٹائی اٹھالاؤ، لڑکا اٹھتا ہے بے ہوش ہوجاتا ہے۔ تو علم ہے طاقت نہیں ہے مگر اللہ کو زبردست طاقت کے ساتھ زبردست علم بھی ہے کہ کتنا مقناطیس سورج میں رکھنا ہے، کتنا زمین میں رکھنا ہے، کتنا چاند میں رکھنا ہے تاکہ ان میں فاصلے رہیں، کبھی آپس میں ٹکرا نہ جائیں، ان کی کشش کہیں غیر معتدل نہ ہوجائے، اس کے لئے علم کامل کی ضرورت ہوتی ہے لٰہذا فرمایا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے کلام میں ایک اسم کے ساتھ دوسرا اسم نازل فرمانا اس میں بڑے حقائق پوشیدہ ہیں۔

اَلتَّوَّابُ کے ساتھ اَلرَّحِیْمُ نازل کرنے کی حکمت

جیسے قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (سورۃ البقرۃ: آیۃ ۵۴)۔ اس آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی سید محمود بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں:

((فِیْ ذِکْرِ الرَّحِیْمِ بَعْدَهٗ اِشَارَةٌ اِلٰی اَنَّ قُبُوْلَ التَّوْبَةِ لَیْسَ عَلٰی سَبِیْلِ الْوُجُوْبِ کَمَا زَعَمَتِ الْمُعْتَزِلَةُ بَلْ عَلٰی سَبِیْلِ التَّرَحُّمِ وَالتَّفَضُّلِ))

(روح المعانی: (مکتبہ رشیدیہ)؛ سورۃ البقرۃ؛ ج ۱ ص ۳۲۲)

کہ یہاں صفتِ توّاب کے بعد صفتِ رحمت کیوں نازل فرمائی؟ چونکہ

علمِ الٰہی میں تھا کہ مستقبل میں ایک فرقۂ معتزلہ پیدا ہوگا جو یہ کہے گا کہ توبہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر بندوں کو معاف کرنا ضابطہ اور قانون سے واجب ہے، اللہ کو قانونی طور پر معاف کرنا پڑے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہاں صفتِ رحیم نازل کردی، تاکہ مستقبل کے جتنے باطل فرقے ہیں ان کا ردّ ہوجائے کہ میرا توبہ قبول کرنا ضابطہ اور قانون سے نہیں ہے بلکہ شانِ رحمت سے ہے۔

اَلْغَفُوْرُ کے ساتھ اَلْوَدُوْدُ نازل کرنے کی حکمت

اور ایک مثال سنئے! قرآنِ پاک میں آیا ہے:

﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۝﴾ ۔ (سورۃ البروج: آیۃ ۱۴)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جانتے ہو کہ میں تمہیں جلد کیوں بخش دیتا ہوں؟ محبت کی وجہ سے۔ جس سے محبت ہوتی ہے اس کی خطا آدمی جلد معاف کردیتا ہے لہٰذا اس آیت کا ترجمہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اعظم گڑھ کی زبان میں فرمایا تھا کہ تم لوگ جانتے ہو میں تمہیں کیوں معاف کردیتا ہوں؟ مارے مَیا کے۔ پورب میں مَیا کہتے ہیں محبت کو، ماتا کو۔

اَلْعَزِیْزُ کے ساتھ اَلْغَفُوْرُ نازل کرنے کی حکمت

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝﴾ ۔ (سورۃ الملك: آیۃ ۲)

مفسرِ عظیم علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مغفرت کمزور کی جانب سے بے وقعت ہوتی ہے:

((وَهُوَ الْعَزِيْزُ اَیِ الْغَالِبُ الَّذِیْ لَا يُعْجِزُهٗ عِقَابُ مَنْ اَسَاءَ
اَلْغَفُوْرُ لِمَنْ شَاءَ مِنْهُمْ اَوْ لِمَنْ تَابَ))

(روح المعاني: (مكتبه رشيديه)؛ سورة الملك؛ ج ۲۹ ص ۱۰)

ایک آدمی کمزور ہے، اس کو کسی نے طمانچہ مار دیا، اب اس میں بدلہ لینے کا دَم ہی نہیں ہے، اتنی قوت نہیں ہے کہ بدلہ لے سکے تو اگر وہ کہے کہ جا! میں نے تجھے معاف کر دیا تو اس کی معافی کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اپنی مغفرت کو اور بخشش کو وقیع بنانے کے لئے، مقامِ عزت دینے کے لئے فرمایا کہ میں زبردست طاقت رکھتے ہوئے تم کو معاف کر دیتا ہوں یعنی غفوریت کی شان کو عزیزیت کی شان سے، بہت بلند مقام سے اللہ نے اپنا تعارف اور عرفان بخشا کہ جانتے ہو میں تمہیں کیوں معاف کر دیتا ہوں؟ زبردست طاقت رکھتے ہوئے بھی میں تمہاری مغفرت کیوں کرتا ہوں؟ تاکہ تم میری معافی کی قدر کرو، اس کا غلط فائدہ مت اٹھاؤ کہ گناہ کئے جاؤ کہ اللہ میاں معاف کر دیں گے۔ یہ سمجھ لو کہ میں ایک سیکنڈ کے اندر تمہارے گردے میں پتھری پیدا کر سکتا ہوں، تم دن بھر بدنگاہی کرتے ہو تو رات میں ہم تمہارے خون میں کینسر پیدا کر سکتے ہیں، تمہارے گردوں کی فلٹر کی مشین سیکنڈوں میں خراب کر سکتے ہیں۔ اگر گردوں کو حکم دے دوں کہ اب پیشاب اور خون کو صاف مت کرو تو تمہارے خون میں پیشاب ملنے لگے گا اور دوسرے دن تم ہسپتال پہنچ جاؤ گے، ہسپتال میں تمہارے خون کی ٹیسٹنگ ہوگی، ڈاکٹر کہیں گے کہ خون میں پیشاب جمع ہو رہا ہے جس سے خون زہریلا ہو رہا ہے۔ اب تم کو ہر ہفتہ خون نکلوانا پڑے گا اور دوسرا خون چڑھوانا پڑے گا۔ تو زبردست طاقت رکھتے ہوئے اللہ کا معاف کر دینا، اس سے صفتِ مغفرت کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ یہ ہے اللہ کی شان! الفاظ کا یہی نزول بتاتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اللہ کو علم ہے کہ کون سا لفظ کہاں نازل کرنا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا کی تفسیر

دیکھو! حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام دعا کر رہے ہیں کہ:

﴿وَاِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَاِسۡمٰعِیۡلُ﴾

(سورۃ البقرۃ: آیۃ ۱۲۷)

اے اللہ! ہم نے جو یہ کعبہ بنایا تو آپ ہمارے اخلاص سے باخبر ہیں لیکن ہم سے آپ کی عظمت کا حق ادا نہیں ہوسکا:

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۝﴾

(سورۃ البقرۃ: آیۃ ۱۲۷)

آپ ہمارے اس عمل کو بہ تکلف قبول فرما لیجیے۔ یہاں انہوں نے بابِ تفعّل سے تَقَبَّلۡ استعمال فرمایا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بابِ تفعّل لانے کا کیا راز ہے؟

((فِیۡ اخۡتِیَارِ صِیۡغَةِ التَّفَعُّلِ اعۡتِرَافٌ بِالۡقُصُوۡرِ))

(روح المعانی: (مکتبہ رشیدیہ)؛ سورۃ البقرۃ؛ ج ۱ ص ۵۲۳)

فرماتے ہیں کہ ان دونوں پیغمبروں نے قصور کا اعتراف کیا کہ اے اللہ! آپ کی عظمت کے شایانِ شان آپ کا گھر ہم سے نہیں بن سکا لہٰذا از راہِ کرم قبول فرما لیجیے۔ اس کے بعد دو صفتیں نازل کیں:

((اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ اَیۡ سَمِیۡعٌ بِدَعَوَاتِنَا وَعَلِیۡمٌ بِنِیَّاتِنَا))

(روح المعانی: (مکتبہ رشیدیہ)؛ سورۃ البقرۃ؛ ج ۱ ص ۵۲۳)

آپ ہماری دعاؤں کو سن رہے ہیں اور ہماری نیتوں سے باخبر ہیں کہ ہم نے آپ ہی کے لئے یہ کعبہ بنایا ہے۔ ایک ایک لفظ میں اگر آپ غور کریں گے تو قرآن کا شانِ نزول اور اسلوبِ بیان بتائے گا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ کیا کسی انسان کا کلام اس طرح سے ہوسکتا ہے؟ جس نے سورج و چاند نہ بنایا ہو وہ اگر کہے کہ میں نے سورج و چاند بنایا ہے تو وہ عزیز اور علیم کی صفت نہیں لائے گا، اس احمق کا ذہن ہی نہیں جائے گا، وہ تو کہے گا کہ بس دعویٰ کردو بعد میں دیکھا جائے گا، اگر کوئی بے وقوف پھنس گیا تو مزے آگئے۔ جیسے یہاں لاہور میں

ایک کانے نے کہا تھا کہ میں خدا ہوں تو انیس (۱۹) آدمی اس پر بھی ایمان لے آئے تھے۔ یہ قصہ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے سنایا تھا۔ایک شخص نے اس کانے سے کہا کہ حضور! اگر آپ خدا ہو تو آپ جو کانے ہو تو اپنی آنکھ درست کیوں نہیں کر لیتے ؟ اس نے کہا کہ تم نہیں جانتے کہ ایک خدا مسلمانوں کا ہے جو ایمان بالغیب کا مطالبہ کرتا ہے اور میں وہ خدا ہوں جو ایمان بالعیب کا مطالبہ کرتا ہے کہ میری کانی آنکھ پر ایمان لاؤ، میرے عیب پر ایمان لاؤ۔

ذاکر اور غافل کی خطا میں کیا فرق ہے؟

تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ ایک شخص کسی اللہ والے سے بیعت ہے، اللہ والے نے اس کو ذکر بھی بتادیا، حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مطالعہ بھی بتادیا کہ ایک دو صفحے دیکھ لیا کرو لیکن ایک دن اس سے کسی نے پوچھا کہ مرید ہونے اور ذکر اللہ کرنے سے کیا اب تم سے کوئی خطا نہیں ہوتی ؟ تو وہ کہتا ہے خطا تو ہوتی ہے مگر اس میں کمی آ گئی، پہلے میں مہینہ ایک ہزار بدنگاہی کرتا تھا اب وہ سورہ گئی، پھر چھ مہینے کے بعد اس نے پوچھا تو بتایا کہ اب دو ایک رہ گئی مگر جلدی سے نگاہ بچالیتا ہوں۔تو ایک غافل انسان جو کسی اللہ والے سے بیعت نہیں ہے، اللہ اللہ بھی نہیں کرتا تو حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ غافل سے بھی خطا ہوگی اور ذاکر سے بھی خطا ہوگی، تو دونوں کی خطاؤں میں کیا فرق ہے؟ فرماتے ہیں کہ جو ذکر اللہ سے غافل ہے اس کو اپنی خطا پر اور اپنے گناہ پر پوری لذت ملے گی کیونکہ اس کے دل میں اللہ کا خیال ہی نہیں ہے، اس نے حضورِ قلب کو دیکھا ہی نہیں اور اس کو توفیقِ توبہ بھی نصیب نہیں ہوگی کیونکہ غفلت کے اندھیروں میں رہنے کا عادی ہے۔جس کے گھر میں بجلی ہوتی ہے اس کے گھر سے جب فیوز اُڑتا ہے اور کمرہ میں اندھیرا ہو جاتا ہے تو بتاؤ اس کا جی گھبراتا ہے کہ نہیں؟ لیکن ایک آدمی کے گھر افلاس اور غربت سے بجلی نہیں لگی، وہ جانتا ہی نہیں کہ بجلی سے کیا روشنی ملتی ہے،

اس نے خبر سنی کہ لاہور کے ماڈل ٹاؤن میں آج بجلی فیل ہوگئی تو آپ بتلایئے کیا اس کو گھبراہٹ ہوگی؟ کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے اندھیرے میں رہتا ہے لیکن جس کے گھر میں روشنی ہوتی ہے جب اس کے گھر کی بجلی فیل ہوتی ہے تو وہ پاور ہاؤس کو ٹیلی فون کرتا ہے کہ پنکھا بند ہوگیا اور روشنی کے بغیر جی گھبرا رہا ہے، بچے رو رہے ہیں، جلدی بجلی بھیجو۔ تو ذکر کی برکت سے دل میں ایک نور پیدا ہوجاتا ہے اور آدمی روشنی میں رہنے کا عادی ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے اگر اس سے کبھی بدنگاہی ہوگی تو وہ اپنے دل میں اندھیرے محسوس کرے گا، گھبرا کر جلدی توبہ کرلے گا۔

بدنگاہی تو ظلمت ہے اندھیر ہے
ہیں نگاہیں مری روشنی کے لئے
مانگتا ہوں تجھے زندگی کے لئے
زندگی چاہیے بندگی کے لئے

تو جس کے دل میں اللہ نہیں آیا، تعلق مع اللہ کی دولت نہیں ہے، اس نے اپنے جسم کو کھانے پینے کا آفس بنایا ہوا ہے، جس کا نام امپورٹ ایکسپورٹ آفس ہے، پہلے کھانا امپورٹ کرتا ہے، اگر امپورٹ نہ ہوگا تو ایکسپورٹ بھی نہ ہوگا اور بعد میں اس کو ایکسپورٹ کردیتا ہے۔ اپنے کو امپورٹ ایکسپورٹ کا آفس سمجھنا کہ کھانا کھایا اور لیٹرین میں پاخانہ پھیر دیا، اس کو زندگی کی حقیقت سمجھنا یہ بہت سخت نادانی ہے۔

راہِ سلوک میں شیخ کی ڈانٹ برداشت کرنے کا انعام

اس لئے عرض کرتا ہوں کہ بعضوں کو شیطان بہکاتا ہے کہ میاں! وہ تو فلاں اللہ والے سے مرید ہے، اللہ اللہ بھی کرتا ہے، پھر بھی اس سے بدنگاہی ہوجاتی ہے تو اس کو ذکر کا فائدہ کیا ہوا؟ ذاکر اور غیر ذاکر دونوں میں فرق کیا ہوا؟ میں پھر کیوں کسی سے مرید ہوں؟ کیوں غلام کا غلام بنوں؟ بندے کا بندہ کیوں بنوں؟ حالانکہ وہ بندے کا بندہ بننا نہیں ہے، جس نے کسی اللہ والے کی غلامی اختیار کی

دراصل وہ حق تعالیٰ کی بندگی ہے، شیخ کی غلامی حق تعالیٰ کی بندگی میں داخل ہے، جواللہ کے لئے کسی اللہ والے کے ناز اٹھاتا ہے، وہ اللہ کے راستے کے ناز میں شامل کیا جاتا ہے، جس نے کسی اللہ والے کی جوتیاں اٹھائیں، اوراس کی ڈانٹ برداشت کی، وہ خدا کے راستے کی تکلیف شمار کی جائے گی، اللہ اس کو اپنی محبت کا جزو بنائے گا، اپنی محبت کے ترازو میں اسے تسلیم کرے گا۔ دلیل سنو:

((فَإِنَّ شِبْعَهُ وَرِيَّهُ وَرَوْثَهُ وَبَوْلَهُ فِي مِيْزَانِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

(صحیح البخاری: (قدیمی)، باب من احتبس فرسا فی سبیل اللہ، ج ۱ص ۴۰۰)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ جہاد کے گھوڑوں کا پیشاب پاخانہ اور ان کو پانی پلانا، بھوسہ کھلی دینا، یہ سب قیامت کے دن نیکیوں کے پلڑے میں وزن ہوں گے۔ کیوں صاحب! جہاد کے گھوڑے کی پیشاب اور لید تو نیکیوں کے ترازو میں وزن کئے جائیں تو کیا نعوذ باللہ! اللہ والے، اولیاء اللہ جانوروں سے بھی گئے گذرے ہیں؟ اگر گھوڑے کا پیشاب پاخانہ نیکیوں میں وزن ہوسکتا ہے تو اللہ والوں کی محبت میں ان کے ناز اٹھانا، ان کی ڈانٹ ڈپٹ برداشت کرنا، اپنی اصلاح کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہونا، اور ان کی راہ کی تکلیفیں برداشت کرنا کیا یہ نیکیوں میں نہیں تولی جائیں گی؟ جبکہ ان کے پاس کے بیٹھنے والوں کی شقاوت کو سعادت سے تبدیل کردیا جاتا ہے:

((هُمُ الْجُلَسَآءُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ))

(صحیح البخاری: (قدیمی)، باب فضل ذکر اللہ عزوجل، ج ۲ص ۹۴۸)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ اللہ والے ایسے ساتھی ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والوں کی شقاوت، بدبختی، بدنصیبی خوش قسمتی سے تبدیل کردی جاتی ہے۔

حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کی تین برکات

اس حدیثِ پاک کی روشنی میں میں یہ کہتا ہوں کہ جس کو اپنی بگڑی بنانی ہو

وہ اللہ والوں کے پاس بیٹھے اُٹھے۔حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ تو یہ فرماتے تھے کہ اس کی دنیا میں بھی برکت شروع ہوجائے گی،لیکن تم دنیا کی برکت کی نیت لے کر اللہ والوں کے پاس نہ جانا۔میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جونپور میں کرائے کے مکان میں رہتے تھے،مقروض بھی اکثر رہتے تھے، پھرایک وہ دن بھی دیکھا کہ اللہ نے کراچی میں شاندار مکان دیا۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی خلیفہ آپ نہیں پائیں گے کہ وہ مسکینی اورغریبی میں پریشان رہا ہو۔حاجی امداداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دعامانگی تھی کہ اللہ میاں! جو میرے سلسلہ میں داخل ہوتو اس کو تین نعمتیں دے دینا اور پھرفرمایا کہ میری دعا قبول بھی ہوگئی،کوئی دل میں اللہ کی طرف سے بات آگئی ہوگی۔نمبرایک:ان کو کبھی تنگ دستی کی پریشانی نہ ہو،رزق کے معاملے میں کسی کے محتاج نہ ہوں۔ نمبردو: ان کے قلب کو جمعیت اور سکون نصیب فرمایئے۔اور نمبرتین:ان کا خاتمہ ایمان پر ہو۔سمجھ گئے آپ لوگ! یہ بڑا مبارک سلسلہ ہے۔دوستو! اللہ والوں کا ہاتھ پکڑنا گویا کہ اللہ کا ہاتھ پکڑنا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو میرے نبی کے ہاتھ پر بیعت ہوتے ہیں تو وہ نبی کا ہاتھ نہیں ہے:

﴿یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ۚ﴾

(سورۃ الفتح: آیۃ ۱۰)

وہ اللہ کا ہاتھ ہے۔اللہ اللہ! اللہ تعالیٰ نے اپنے معلّمینِ محبت کی کیا عظمت بیان کی کہ نبی کے ہاتھوں کو اپنا ہاتھ قرار دے دیا۔

صحبتِ اہل اللہ کی برکت سے سب گناہ چھوٹ جاتے ہیں

مولانارومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوستو! اگرابھی گناہوں کی عادت سے بازنہیں آرہے ہوتو جلدی سے اللہ والوں کے پاس بیٹھنا اُٹھنا شروع کردو،اس کا انتظار نہ کرو کہ پہلے گناہ چھوڑیں گے پھراللہ والوں کے پاس جائیں گے۔اس کو

ایسے سمجھو کہ جیسے کسی کو غسل فرض ہوگیا یا کوئی پیشاب پاخانہ کے گٹر میں گر گیا اور اب دریائے راوی یا ستلج کے پاس کھڑا ہے اور کہتا ہے کہ اے دریا! کیا میں تیرے اندر آسکتا ہوں کیونکہ میں ناپاک ہوں، ایسا تو نہیں کہ میں تیرے اندر آؤں اور تُو بھی ناپاک ہوجائے، تیری گستاخی تو نہیں ہوجائے گی، بے ادبی تو نہیں ہوگی؟ دریا کہتا ہے کہ اگر تُو اس بے ادبی اور گستاخی کے ڈر سے باہر کھڑا رہے گا تو قیامت تک ناپاک رہے گا، جلدی سے میرے اندر کود جا، تیرے جیسے ہزاروں آجائیں، سارا لاہور ناپاک ہوکر نہالے تو بھی میرا پانی پاک رہے گا اور تم لوگ پاک ہوجاؤ گے۔

من نگردم پاک از تسبیح شاں
پاک ہم ایشاں شوند و درفشاں

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ حکایت بیان کرتے ہیں کہ اللہ پاک فرماتے ہیں تم لوگ جب سبحان اللہ کہتے ہو کہ اللہ پاک ہے، تو میں تمہارے پاک کہنے سے پاک نہیں ہوتا ہوں، ارے ظالمو! میں تو پہلے ہی سے پاک ہوں لیکن میری پاکی بیان کرنے کے صدقہ میں تم پاک ہوتے ہو، اسی انسان کی زبان سے پھر موتی نکلنے لگتے ہیں، جب دل پاک ہوجاتا ہے تو پاک بات نکلتی ہے۔ کسی لوٹے میں اگر عرقِ گلاب ہے تو ٹونٹی سے عرقِ گلاب نکلے گا، اگر گدھے کا پیشاب ہے تو ٹونٹی سے پیشاب ہی نکلے گا۔ تو فرماتے ہیں کہ جب میرے ذکر سے تم پاک ہوجاؤ گے، تمہارے قلب میں نورانیت آجائے گی تب تمہارے منہ سے نور کے موتی بکھریں گے، تم درفشاں ہوجاؤ گے۔ جس دل میں اللہ کی محبت کا موتی ہوتا ہے اس کی زبان سے بھی موتی جھڑتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔

تو دوستو! گناہ چھوٹنے کا انتظار مت کرو بلکہ جلدی سے کسی اللہ والے کے پاس آنا جانا شروع کردو، پیر بنانے میں شرم مت کرو، یہ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ

فرمارہے ہیں، اسے اختر کی بات نہ سمجھنا۔مولانا مشرف علی تھانوی میرے بہت پرانے دوست ہیں، اس وقت سے جبکہ ان کی ذرا ذرا سی موچھیں تھیں جسے مونچھیں بھیگنا کہتے ہیں، جامعہ اشرفیہ میں پڑھتے تھے، میں عمر میں ان سے کچھ تھوڑا سا بڑا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر میرے بال جلدی سفید کردیئے تاکہ کسی کو مجھ سے بیعت ہونے میں شرم نہ آئے ورنہ میری عمر اتنی زیادہ نہیں ہے۔اسی سال بنگلہ دیش میں بہت سے محدثین مجھ سے بیعت ہوئے تو میں نے چپکے سے اللہ میاں سے کہا کہ اگر آپ میری داڑھی سفید نہ کرتے تو شاید یہ مجھ سے بیعت ہونے سے شرماتے حالانکہ اس میں شرم کی بات نہیں ہے۔ دہلی میں ایک بزرگ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ سے ایک بڑے میاں بیعت ہوئے جو عمر میں ان سے بیس سال بڑے تھے،تو دہلی والوں نے مذاقاً کہا کہ کیا تم کو کوئی بڈھا پیر نہیں ملا جو اس خوبصورت جوان پیر سے بیعت ہوئے ہو، تو بڑے میاں نے کہا۔

جس کے دردِ دل میں کچھ تاثیر ہے
گر جواں بھی ہے تو میرا پیر ہے

اس لئے عمر مت دیکھو، یہ دیکھو کہ اس کے سینہ میں درد بھرا دل ہے تو اسے پیر بنالو چاہے خود تم پیر یعنی بوڑھے ہو، بڈھا بھی چالیس سال کے جوان کو شیخ بنا سکتا ہے۔ تو اس کا انتظار نہ کیا جائے کہ ہم جب گناہوں سے پاک ہوجائیں گے تب اللہ والوں کے پاس جائیں گے، آپ خود سے کبھی پاک نہیں ہوسکتے، اس لئے اللہ والوں کے دریا میں جاکر غوطہ لگالو، ان کے پاس بیٹھنا شروع کردو، آہستہ آہستہ سارے گناہ خود ہی چھوٹ جائیں گے۔

صحبتِ اہل اللہ میں گناہ چھوٹنے کی مثال

مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ بعض لوگ

اس ڈر سے اللہ والوں کے پاس نہیں بیٹھتے کہ وہاں جائیں گے تو پھر سینما دیکھنا بند کرنا پڑے گا، پھر عورتوں کو کیسے دیکھیں گے، سارے مزے چھوٹ جائیں گے، گناہوں کو چھوڑنا پڑے گا۔ تو حضرت نے فرمایا کہ اہل اللہ کی صحبت میں گناہ چھوڑنا نہیں پڑیں گے خود بخود چھوٹ جائیں گے۔ اس پر حضرت نے ایک قصہ سنایا کہ ایک آدمی نے اپنے دفتر میں دس ہزار روپے رشوت لی اور خوشی خوشی اسکوٹر پر جا رہا ہے کہ آج دس ہزار سے بیوی کے لئے ساڑھیاں لیں گے، ٹی وی بھی لیں گے اور فلاں آلاتِ خباثت لیں گے، یہ کریں گے، وہ کریں گے۔ اتنے میں اس کا ایک دوست تیز رفتاری سے اسکوٹر پر اس کے پاس آ کر رکا اور کہا میاں ٹھہرو! ایک بات کان میں سن لو، ایک درجن اینٹی کرپشن پولیس یعنی جو مجرمینِ رشوت کو پکڑتی ہے وہ پولیس جیپ پر بیٹھ کر آرہی ہے اور ڈی آئی جی بھی ساتھ ہے، تمہارے ان نوٹوں پر پولیس افسر کے دستخط موجود ہیں تاکہ تم رشوت کا انکار نہ کرسکو۔ اتنے میں اس نے ایک گٹر کھلا ہوا دیکھا تو سارے نوٹ اس گٹر میں پھینک دیئے اور جلدی سے بھاگا اور گھر جا کر اطمینان کی سانس لی۔ اب جناب گھر پر پولیس کی جیپ آگئی، ڈی آئی جی نے پوچھا کہ دس ہزار روپے جو تم نے رشوت کے لئے تھے وہ کہاں ہیں؟ اس نے کہا کہ دیکھ لیجیے، تلاشی لے لیجیے، تلاشی پر کچھ نہیں ملا اور پولیس ناکام واپس چلی گئی تو اس نے سب سے پہلے اس ڈھکن چور کو دعا دی کہ اے اللہ! اس کو جزائے خیر دے کہ آج اس کی وجہ سے میری جان بچ گئی۔

تو حضرت نے فرمایا کہ جب اس کو یقین آگیا کہ ڈی آئی جی اور پولیس آرہی ہے تو اس کو دس ہزار چھوڑنا پڑے یا خود چھوٹ گئے؟ خود چھوٹ گئے اور وہ انہیں چھوڑ کر خوش بھی ہوا کیونکہ اسے یقین تھا کہ اس رشوت سے مجھے جیل جانا پڑتا۔ تو اللہ والوں کی صحبت سے اللہ پر، قیامت پر، دوزخ اور جنت پر اور قبر کی منزلوں پر

یقین پیدا ہوجاتا ہے، یقین والوں کی صحبت سے یقین ملتا ہے، پھر وہ گناہ کی لذت اور دوزخ کے عذاب کا موازنہ کرتا ہے، وہ سوچتا ہے کہ میں اگر کسی عورت کو دیکھتا ہوں اور خدا نے مجھے عذاب دیا تو آگ کی تکلیف سے بہتر ہے کہ میں آنکھ بچالوں۔ تو اللہ والوں کے پاس جا کر گناہ چھوڑنا نہیں پڑتے خود چھوٹنے لگتے ہیں۔ جیسے جیسے ذکر اللہ کا عادی ہوتا چلا جاتا ہے تو نور میں رہنے کا عادی ہوتا چلا جاتا ہے، اندھیروں سے اس کا دل گھبرانے لگتا ہے۔

بس اب سمجھ لو کہ ذاکر سے اگر خطا ہوتی ہے تو اسے جلد توبہ کی توفیق ہوجاتی ہے، جلد رو رو کر اللہ کو منا لیتا ہے، توبہ کرتا ہے کہ اے اللہ! اب دوبارہ کبھی گناہ نہیں کروں گا لیکن غافل جو اہل اللہ سے دُور ہیں، ذکر اللہ سے غافل ہیں، وہ اگر خطا کرتے ہیں تو انہیں احساس بھی نہیں ہوتا ۔

اندھیرے پر اندھیرا چڑھ رہا ہے
ارے ظالم یہ تُو کیا کر رہا ہے

شعر بن گیا سبحان اللہ! مولانا مشرف نے ابھی تازہ بہت عمدہ شعر کہا ہے ۔

ذاکر کو وساوس سے بھی ہوجاتا ہے خلجان
غافل کو گناہوں پہ ندامت نہیں ہوتی

یعنی ذاکرین کو، اللہ والوں کو اگر گناہ کا وسوسہ بھی آجاتا ہے تو بھی وہ توبہ کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی نافرمانی کا خیال کیوں آیا؟ اور غافل سے گناہ ہو رہے ہیں مگر ذرا بھی شرمندگی نہیں ہوتی، ڈھیٹ بنا ہوا ہے۔

گناہوں کی کثرت کی وجہ حیا کا ختم ہونا ہے

اور شرم کیوں آئے؟ شرم تو جب آئے جب حیا کی حقیقت سمجھ میں آجائے۔ حیا کی حقیقت کیا ہے؟

((فَاِنَّ حَقِیْقَۃَ الْحَیَآءِ اَنَّ مَوْلَاكَ لَا یَرَاكَ حَیْثُ نَھَاكَ))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)؛ کتاب الایمان؛ ج ۱ ص ۱۳۵)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصلی حیا یہ ہے کہ تمہارا مولیٰ تمہیں اپنی نافرمانی کی حالت میں نہ دیکھے۔ لوگ توبہ کرنے سے شرماتے ہیں کہ بار بار گناہ ہوجاتا ہے اس لئے سمجھتے ہیں کہ توبہ کرنا بے کار ہے، اللہ میاں سے شرم آتی ہے کہ کس منہ سے توبہ کروں، کل تو پھر عورتوں کو دیکھوں گا۔ تو فرمایا کہ ارے! تم اگر ایک لاکھ مرتبہ گناہ کرتے ہو تو بھی توبہ کرنے سے مت شرماؤ، اللہ کو چھوڑ کر کہاں جاؤ گے؟ مچھلی اگر ایک ہزار دفعہ شکاری کا چارہ کھا کر جال میں پھنسے اور اسے پانی سے نکلنا پڑے لیکن اگر شکاری کان میں پوچھے کہ تجھے کچھ شرم آئی؟ اب پانی میں جائے گی؟ پانی کو کیا منہ دکھائے گی تو وہ کہے گی کہ ارے میاں! پانی کو کیا منہ دکھانا، چاہے پانی طوفانوں سے اور سیلاب سے تھپڑ مارے، چاہے وہاں اجگر بھی ہوں، گھڑیال بھی ہوں، مگر مچھ بھی بیٹھا ہو لیکن پانی کے بغیر میری زندگی ناممکن ہے، ہمیں خشکی کے امن وسکون سے پانی کے طوفان بہتر ہیں کیونکہ خشکی تو میری موت کا سبب ہے، پانی ہی میری زندگی ہے۔ ایسے ہی مومن کی روح کا معاملہ ہے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

دعویٰ مرغابی کردست جاں

کے ز طوفان بلا دارد فغاں

میری جان نے مرغابی ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اٰمَنَّا مومن جو ایمان لایا ہے، اس کو مولانا رومی نے مرغابی ہونے سے تعبیر کیا ہے، جب اس نے کہا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ پھر وہ بلاؤں کے طوفان سے نہیں گھبراتا کہ نگاہ بچانے میں غم ہوگا، وہ تو غم اٹھانے پر شکر ادا کرے گا کہ یا اللہ! یہ میری قسمت کہاں کہ میں نے آج آپ کے راستہ میں کچھ غم اٹھایا، آپ اسے قبول فرمالیجیے، آپ کے راستہ کا کانٹا

ساری کائنات کے پھولوں سے افضل ہے۔اگر آپ کے راستہ میں نظر بچانے کا کانٹا چبھ جائے تو اس کانٹے کو ساری دنیا کے پھول سلامی پیش کریں تو بھی اُس کانٹے کی عظمت کا حق ادا نہیں کر سکتے کیونکہ خدا کی راہ کا کانٹا ہے، اللہ کے راستے کی تکلیف ہے۔

جملہ سالکین کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بشارت

تو دوستو! یہی عرض کرتا ہوں کہ اللہ والوں کی صحبت کے لئے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جولوگ اللہ والوں کے پاس آتے جاتے ہیں، مشائخ سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا بتایا ہوا ذکر کرتے ہیں، اپنے گناہوں کی عاداتِ خبیثہ کے بارے میں اطلاع دیتے ہیں کہ حضرت! ان کا کوئی علاج بتایئے، پھر ان کے مشورے پر عمل بھی کرتے ہیں، تو اگر کبھی ان سے گڑبڑ بھی ہوجاتی ہے، جیسے زکام میں ٹھنڈا نہیں پینا چاہیے مگر پھر بھی بے احتیاطی ہوجاتی ہے، برف ڈال کر پاکولا پی لیتے ہیں تو بعد میں جوشاندہ بھی پیتے ہیں، تو حکیم الامت فرماتے ہیں کہ آخر میں جب مرنے کا وقت قریب آتا ہے تو جتنے سالکین جنہوں نے دنیا میں کچھ محنتیں کی ہیں، اہل اللہ کی دعائیں لی ہیں اور سلوک میں مجاہدے کئے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو ان پر رحم آجاتا ہے کہ ساری زندگی تو اس نے میری خاطر مشقت اٹھائی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ اب تعلقات ماسوی اللہ پر اپنی محبت کو غالب کر کے دنیا سے اٹھاتے ہیں، یہی سالک جو ساری زندگی نفس وشیطان کے ہاتھوں مغلوب تھا، اس کو آخر میں اپنی محبت کو غالب کر کے بلاتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ میں جملہ سالکین کو بشارت دیتا ہوں کہ جو لوگ اہل اللہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں اور اللہ اللہ کرتے ہیں، اگر کاملین نہ بن سکے، اول تو کامل ہوجاتے ہیں لیکن اگر اپنی نالائقی سے کاملین نہ ہوسکے، کچھ محنت کم کی اور مجاہدہ میں کچھ پس ہمتی سے کام لیا تو بھی ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تائبین بنا کر ضرور اٹھائے جائیں گے،

ان کو سچی توبہ ضرور نصیب ہوجائے گی اور یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

اللہ والوں سے تعلق کا فیضان

توبہ سے دل منور ہوجاتا ہے، ناممکن ہے کہ کمرے میں روشنی ہو اور آدمی سانپ اور بچھو دیکھ رہا ہو اور اسے احتیاط کی توفیق نہ ہو۔ تو اللہ والوں کی صحبت سے احساسِ ندامت ضرور پیدا ہوجاتا ہے اور اس کو اپنے گناہوں کے سانپ بچھو نظر آنے لگتے ہیں، اللہ والوں کا قلب اس کی روح کو نورانیت سے منور کردیتا ہے، ان کے دل کا نور اس کے دل میں خود بخود داخل ہوجائے گا، چاہے وہ اللہ والے اور خود سالک ارادہ نہ بھی کریں جیسے کمرے میں کھڑکیاں ہوں تو جب سورج نکلتا ہے تو کیا آپ کا کمرہ ارادہ کرتا ہے کہ کھڑکیوں سے روشنی آجائے یا آفتاب کی شعاعیں خود بخود آجاتی ہیں۔ بس مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ یہی فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کے دل کے آفتاب کا نور تمہارے دل کی کھڑکیوں میں خود بخود داخل ہوجائے گا۔ دل میں بھی کھڑکیاں ہوتی ہیں ؎

کہ ز دل تا دل یقیں روزن بود
نے جدا و دور چوں دو تن بود

روزن معنی کھڑکی۔ شیخ کے دل سے مریدین کے دلوں میں کھڑکیاں لگی ہوئی ہیں، دونوں کا جسم تو جدا ہے لیکن یاد رکھو دل جدا نہیں ہوتے، دل آپس میں ملے ہوتے ہیں۔ مولانا نے دعویٰ تو کردیا لیکن ہوسکتا ہے کہ کوئی منطقی سوال کرلے کہ اس کا ثبوت پیش کیجئے تو فرماتے ہیں، واقعی مثالوں کا بادشاہ تھا یہ شخص! مولانا کی مثال دیکھو جس سے تمہارے منطقی سوال کا جواب حل ہوجائے گا ؎

متصل نبود سفال دو چراغ
نور شاں ممزوج باشد در مساغ

فرماتے ہیں کہ جس طرح دو چراغوں کا جسم الگ الگ ہے، ایک بلب یہاں ہے ایک بلب وہاں ہے لیکن فضاؤں میں دونوں کی روشنی مل جاتی ہے، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہاں تک اس کی روشنی ہے اور یہاں تک دوسرے کی ہے۔

تزکیہ کے لئے کسی مزکّی کا ہونا لازم ہے

تو اگر اللہ والوں کے دل سے اپنے دل کو ملانا ہے تو اپنے جسم کو ان کی خدمت میں لے جانا ہوگا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ خالی دل بھیج دیں اور خود گھر بیٹھے رہیں کہ صاحب! میں تو اپنے گھر پر ہی رہتا ہوں مگر میرا دل شیخ کے پاس رہتا ہے۔ نہیں! جسم کے ساتھ دل جائے گا، دل خود چل کر نہیں جا سکتا، جسم جائے گا تو دل اندر بیٹھا ہوا چلا جائے گا، جیسے بادشاہ لوگ سواری سے جاتے ہیں، تو دل بادشاہ ہے سواری پر بیٹھ کر جائے گا، اس کا پیدل چلنا تو گستاخی ہے، اس کی توہین ہے۔ کیوں صاحب! بادشاہ لوگ کہیں پیدل چلتے ہیں؟ تو دل بھی جسم کی سواری پر جاتا ہے، جسم کو اللہ والوں کی خدمت میں حاضر کرو، اور اخلاص سے آنا جانا رکھو، اہل اللہ سے تعلق رکھو اور اصلاحِ نفس کے بارے میں تزکیہ کو فرض سمجھو، یہ مستحب نہیں ہے۔ ہر شخص پر اصلاح کرانا فرض ہے، تزکیہ فعلِ متعدی ہے، فعلِ لازم ہوتا تو ہم سب خود اپنی اصلاح کر سکتے تھے، جیسے جَآءَ زَیْدٌ تو جَآءَ فعلِ لازم ہے، مَجِیْئَتٌ، اس کے یہاں آنے کا فعل زید پر تمام ہو گیا لیکن تزکیہ فعلِ متعدی ہے جس میں ایک فاعل یعنی مزکِّی ہونا چاہیے جو تزکیہ کرے اور ایک مفعول یعنی مزکّٰی ہونا چاہیے، تب تزکیہ کا فعل عمل پذیر ہوتا ہے۔

فلاح کے متعلق دو آیات کے باہمی ربط پر ایک علمِ عظیم

لہٰذا اہل اللہ کی صحبت میں جایئے، ان شاء اللہ پھر اللہ تعالیٰ جو نعمتیں دے گا، ان میں ایک فلاح بھی ہے۔ تزکیہ کی نعمتوں میں لکھا ہے: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ

زَكّٰهَا (سورۃ الشمس: آیۃ ۹) فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کرالیا، اور تزکیہ کے لئے مشائخ، اللہ کا نام لینا کیوں بتاتے ہیں؟ کیونکہ یہی فلاح کا وعدہ ذکر اللہ پر بھی ہے:

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ۔ (سورۃ الانفال: آیۃ ۴۵)

فلاح میں تزکیہ کو جتنی اہمیت ہے اتنی ہی اہمیت اللہ کے ذکر کی بھی ہے، فلاح کے معنی صاحبِ فتح القدیر علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((اَیْ تَفُوْزُوْنَ بِسَعَادَةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ))

(فتح القدیر: تحت سورۃ النور؛ ج ۴ ص ۳۰)

دونوں جہان کی کامیابی یعنی اگر تم اللہ کا نام لو گے تو دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو جاؤ گے، اور وہ بھی فلاح پا جائے گا جو تزکیۂ نفس کرائے گا۔ تو معلوم ہوا کہ فلاح کی نعمت تزکیۂ نفس پر بھی موعود ہے اور ذکر اللہ پر بھی موعود ہے۔ اب آپ کہیں گے کہ ہم ان میں سے ایک کام کرلیں یعنی صرف اللہ اللہ کرلیں اور فلاح لے لیں، پھر تزکیۂ نفس کی کیا ضرورت ہے؟ جب ایک نعمت کا وعدہ دو عمل پر ہے تو ہم اس نعمت کو ایک عمل کر کے حاصل کرلیں، دوسرا نہ کریں جیسے تیز گام بھی کراچی جاتی ہے اور شالیمار بھی جاتی ہے تو ہم شالیمار کو چھوڑ کر تیز گام سے چلے جاتے ہیں۔

تو سنئے! دنیا میں تو ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ کسی ایک رَیل سے چلے جائیں کیونکہ یہ لازم وملزوم نہیں ہیں لیکن فلاح کے لئے ذکر اللہ اور تزکیہ لازم وملزوم ہیں۔ لیکن دوستو! ایک خاص بات عرض کرتا ہوں کہ اللہ کا ذکر عطر ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ اپنے نام کا عطر بیان کیا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا کہ میرے نام کا عطر لگاؤ اور دوسری جگہ فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا کہ میرا نام جب لو تو میرے نام کی خوشبو کے ساتھ گدھے کی لید مت لگاؤ، باطنی نجاستوں سے پاکی حاصل کرو ورنہ میرے عطر کی توہین ہو جائے گی۔ لہٰذا جتنا اچھا تزکیہ کراؤ گے اتنا ہی میرے عطر کی خوشبو تم پر اثر کرے گی اور ایسا اثر کرے گی کہ تم خودمست

ہوجاؤ گے اور جدھر سے بھی گذرو گے تو پوری کائنات کہے گی کہ کوئی اللہ والا جارہا ہے، تمہاری رفتار بدل جائے گی:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾

(سورۃ الفرقان: آیۃ ۶۳)

تمہاری رفتار سے، گفتار سے، چال سے اللہ والا ہونا ثابت ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کی خوشبو نشر ہوکر رہتی ہے

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی گھر کے تیسرے کمرے میں چھپ کر اللہ اللہ کررہا ہے تو اس کی خوشبو کو اللہ تعالیٰ کائنات میں پھیلا دیتے ہیں۔ آپ چھپائیں گے لیکن ؎

جمال اس کا چھپائے گی کیا بہارِ چمن

چمن سے مراد چمنِ کائنات ہے، یہ ساری دنیا، لندن کی میمیں، دنیا کے سارے حسین، کتنی ہی بے حیا فلمیں، ساری کائنات مل کر اگر چاہے کہ میں اللہ کے جمال اور اللہ کی محبت کی خوشبو کو چھپالوں، اللہ والوں کو اُدھر مشغول کردوں تو اصغر گونڈوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

جمال اس کا چھپائے گی کیا بہارِ چمن
گلوں سے چھپ نہ سکی جس کی بوئے پیراہن

اور فرماتے ہیں کہ دنیا کو اپنی بہاروں پر اور رنگینیوں پر ناز تھا ؎

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھاگئے

اور خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑگئی لو شمع محفل کی
پتنگوں کے عوض اُڑنے لگیں چنگاریاں دل کی

عوام میں اہلِ دین کی ناقدری کی وجہ

دوستو! کہاں عزت تلاش کرتے ہو؟ دیکھو! جگر نے کیا کہا تھا، جگر مرادآبادی جب حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے صدقہ میں اللہ والا ہو گیا تو کیا غضب کا شعر کہہ گیا ؎

میرا کمالِ عشق بس اتنا ہے اے جگرؔ

وہ مجھ پہ چھاگئے میں زمانے پہ چھا گیا

آج لوگ شکایت کرتے ہیں کہ مولویوں کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، واللہ! اگر آپ خدا کی محبت کو اپنے اوپر غالب کرلیں تو اللہ آپ کو غالب کرے گا۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس نے خدا کے احکام کو اپنی آنکھوں پر، کانوں پر، جسم پر غالب کیا تو جہاں جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو غالب کردیں گے اور جو خدا کے احکام کو توڑتا ہے تو اللہ اس کی گردن توڑ دیتا ہے۔

ہم مانتے ہیں کہ حسینوں کے دل شیشہ کی مانند نازک ہیں لیکن وہ موتی جو شاہ محمود کے خزانے میں یکتا تھا لیکن ایاز کی عاشقی کا ثبوت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ پیش کرتے ہیں کہ شاہ محمود کے پینسٹھ وزیروں نے اس موتی کو توڑنے سے انکار کردیا جب اس نے کہا کہ اس کو توڑ دو۔ سب وزیروں نے کہا کہ ایسا موتی پوری مملکتِ محمود میں، محمود کی پوری سلطنت میں نہیں ہے، ہم ایسی گستاخی نہیں کرسکتے۔ پھر شاہ نے ایاز کو، اپنے عاشق کو بلایا کہ اے ایاز! اگر تو محمود کا واقعی عاشق ہے تو اس نایاب موتی کو توڑ دے، اس نے پتھر اٹھایا اور فوراً توڑ دیا۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ہے عشق!

شاہ محمود نے ایاز سے پوچھا کہ تم نے میرے نایاب موتی کو کیوں ضائع کیا؟ کیا یہ پینسٹھ وزیر سب گدھے ہیں؟ ایاز سے جواب طلب کیا تو ایاز نے کیا عمدہ جواب دیا جو ہمارے لئے نصیحت ہے۔ دیکھئے! بادشاہ بھی

موجود ہے، تمام وزراء اور ارا کینِ سلطنت بھی ہیں، اس نے کہا ۔

گفت ایاز اے مہتران نامور
امر شہ بہتر بہ قیمت یا گہر

ایاز نے بادشاہ کے حکم سے جواب دیا کہ اے معزز وزیرو! تم نے اس نایاب موتی کو نہیں توڑا لیکن میں نے توڑ دیا، ذرا یہ بتاؤ کہ شاہی حکم زیادہ قیمتی ہے یا یہ موتی زیادہ قیمتی ہے؟ تو اللہ کا حکم يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ زیادہ قیمتی ہے یا یہ حسین موتی زیادہ قیمتی ہیں جن کے ہونٹوں پر، گالوں پر، کالے بالوں پر اور آنکھوں پر تم مرے جا رہے ہو۔ دیکھو! ایاز ایک انسان کا غلام ہو کر ہمیں عبرت دے گیا، ظالم بندگی سکھا گیا۔

یاد کی اقسام

تو یاد رکھو! جو اللہ کو کم یاد کرے گا اور اللہ کی یاد کے گہرے دریا میں نہیں رہے گا، شیطان اور اس کے چیلے بغیر جال کے اس کو پکڑ لیں گے۔ اس لئے قلیل ذکر اللہ علامتِ نفاق ہے:

﴿وَلَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾

(سورۃ النسآء: آیۃ ۱۴۲)

یہ حقیقی منافق تو نہیں ہوگا لیکن عمل منافقوں جیسا کر رہا ہے۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص چاہے کہ منافقین کے رجسٹر سے اس کا نام نکل جائے اس کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو خوب یاد کرتا رہے۔

لیکن خوب یاد کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دماغ کو گرم کر لے اور نفسیاتی بیمار ہو جائے، اتنا ذکر جائز نہیں جس سے دماغ گرم ہو جائے یا نیند میں کمی ہو جائے۔ یاد کی دو قسمیں یاد رکھو، چاہے ذکرِ مثبت تھوڑا کرو لیکن ذکرِ منفی زیادہ کرو۔ اور ذکرِ منفی کیا ہے؟ گناہ سے زیادہ بچو۔ جس نے حفاظتِ نظر کی اور دل میں زلزلہ آیا،

دل کو دھچکا لگا تو اس کو دو نعمتیں حاصل ہوں گی۔ ایک تو سینکڑوں تہجد سے زیادہ نور عطا ہوگا اور دوسرے یہ کہ اس کے قلب کو جو دھچکا لگا، جس سے قلب کی دیواریں ہل گئیں اور کہیں کہیں شگاف بھی پڑ گئے تو اللہ تعالیٰ کی سرکار اس کے قلب کی تعمیر فرمائے گی یعنی اللہ تعالیٰ اسے انتہائی چین، سکون واطمینان اور حلاوتِ ایمانی سے نوازش فرمائیں گے۔ جیسے دنیا میں اگر کہیں زلزلہ آتا ہے تو اخباروں میں آتا ہے کہ فلاں علاقہ زلزلہ کی وجہ سے آفت زدہ قرار دے دیا گیا، وہاں کی مال گذاری معاف، وہاں کے ٹیکس معاف ہو گئے اور جن کے مکانات متاثر ہوئے ہیں حکومت اپنی سیمنٹ بجری سے اور سرکاری پیسے سے ان کے مکانات کی تعمیر کرائے گی۔

ذکر اللہ کا صحیح مفہوم

لیکن اللہ کا نام لینے کے معنی لوگ نہیں سمجھتے، اس لئے اس کی تفسیر ضروری ہے۔ اللہ کا نام لینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ اللہ بھی کر رہے ہیں اور بتوں کو خوش کرنے کی بھی فکر ہے، یا 'رام رام جپنا پرایا مال اپنا' یعنی جس کی جو چیز جہاں سے ملی لے لی، کسی کی گھڑی لے لی، کسی کا پیسہ لے کر خوب کوفتے کھائے اور اس کے بعد اسے ادا کرنے کی بھی کوئی فکر نہیں۔ تو جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی درجہ میں بھی مبتلا رہے گا تو وہ اللہ کو یاد تو کر رہا ہے، خوب اللہ اللہ کر رہا ہے، ضربیں بھی لگا رہا ہے، اشراق بھی پڑھ رہا ہے، اوّابین بھی پڑھ رہا ہے، تہجد بھی پڑھ رہا ہے لیکن نظر کی حفاظت نہیں کرتا، جس حسین یا حسینہ کو چاہتا ہے دیکھ لیتا ہے، کان سے گانا سننے سے احتیاط نہیں کرتا، زبان سے غیبت، ماں باپ سے بدتمیزی کرنے سے احتیاط نہیں کرتا، غرض کسی گناہ میں ابتلاء ہوگا تو پھر سمجھ لو کہ یہ وہ مچھلی ہے جس کا کچھ حصہ تو پانی میں ہے اور کچھ حصہ پانی سے خارج بھی ہے۔

آہ۔ سمجھ لو! پھر اس کا پانی کے اندر والا حصہ بھی گرم ہو جائے گا۔ یاد رکھو اس کو! جتنا حصہ پانی میں ہے اس کا مزا بھی نہیں آئے گا، کیا مطلب؟ گناہوں کی

وجہ سے اس کو اللہ تعالیٰ کے نام کی لذت اور حلاوت کا پورا ادراک نہیں ہوسکتا۔ جیسے جو مچھلی پانی میں تین بٹا چار ہے یعنی گردن تک تو پانی میں ہے مگر اس کا سر دھوپ میں نکلا ہوا ہے یا دُم دھوپ میں ہے تو اس کو پانی کی ٹھنڈک کا صحیح مزہ نہیں ملے گا، مچھلی کو پانی کا پورا مزہ جب ملے گا جب بالکل غرقِ آب ہوجائے یعنی اوپر، نیچے، دائیں، بائیں پورا جسم گہرے پانی میں پہنچ جائے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اگر وہ پانی کے اوپر اوپر رہتی ہے یا اگر پانی کم ہے تو سورج کی شعاؤں سے جون کے مہینہ میں سارا پانی گرم ہوجائے گا، جیسے میں نے اپنے گاؤں کا واقعہ سنایا کہ تالاب میں ایک دو فٹ پانی ہوا تو وہ پانی جون کے مہینہ میں اتنا گرم ہوگیا کہ مچھلیاں بے ہوش ہونے کے قریب ہوگئیں اور گاؤں والوں نے ہاتھوں سے پکڑ لیا، جال بھی ڈالنا نہیں پڑا۔

آتشی آئینے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حسین تو اللہ کے جمال کے آئینے ہیں، ان حسینوں کو دیکھ کر ہم خدا کی معرفت حاصل کرتے ہیں کہ اللہ کے حسن کی کیا شان ہوگی، جو ایسے حسین بنا سکتا ہے خود اس کا حسن کیسا ہوگا! ایک شخص نے یہ سوال حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں لکھا کہ اس آئینۂ جمالِ خداوندی کو دیکھنے سے شریعت کیوں منع کرتی ہے؟ حضرت نے جواب دیا کہ میں ان حسینوں کو آئینہ تو تسلیم کرتا ہوں مگر یہ آتشی آئینے ہیں، تم کو جلا کر خاک کردیں گے، زندگی ہی میں دوزخ میں پڑ جاؤ گے، حیات تلخ ہوجائے گی۔ آتشی شیشہ جو ہوتا ہے جب سورج کے سامنے ہوتا ہے تو لوگ اس کے نیچے سگریٹ جلا لیتے ہیں، کالا کپڑا رکھ دو تو وہ دھواں دینے لگتا ہے، تو دل جل کر خاک ہوجائے گا، تمہاری حیات بھی تلخ ہوجائے گی، دنیا بھی جائے گی آخرت بھی جائے گی۔ اس لئے فرمایا کہ ان حسینوں کا عشق عذابِ الٰہی ہے۔ خبردار! ان کو مت دیکھنا۔

دیکھ تو ان آتشیں رخوں کو نہ دیکھ　　ان کی جانب نہ آنکھ اُٹھا زنہار
دور ہی سے یہ کہہ الٰہی خیر　　پڑھ وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّارِ

ان آگ جیسے چہروں کو مت دیکھنا، جب نظر آجائیں تو کہو رَبَّنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ غالب جیسا دنیادار شاعر جب آگرہ گیا اور آگرہ میں آگ جیسی شکلیں کچھ نظر آئیں تو اس نے فوراً کہا ؎

آگرے کے شعلہ رُو ہیں آگ رے
بھاگ رے مرزا یہاں سے بھاگ رے

جسم اور دل کی بڑے اور چھوٹے بکسے سے تفہیم کی مثال

ان حسینوں سے فرار اختیار کرو: فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ (سورۃ الذٰریٰت: آیۃ ۵۰)
تفسیرِ خازن میں اس کی تفسیر لکھی ہے کہ اللہ کی طرف بھاگنے کے کیا معنی ہیں؟

((فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ اَیْ فَفِرُّوْا عَمَّا سِوَى اللّٰهِ اِلَى اللّٰهِ))

(تفسیر الخازن: (دار الکتب العلمیۃ)، سورۃ الذٰریٰت، ج۴ص۱۹۶)

فرمایا کہ غیر اللہ سے بھاگو اللہ کی طرف، وضو کر کے مسجد میں دو رکعات توبہ پڑھو، اللہ کی یاد میں لگ جاؤ، ذکر میں لگ جاؤ، تلاوت میں لگ جاؤ تا کہ تمہارے سینوں میں دریائے نور بہنے لگے تو تم بادشاہوں سے افضل ہو جاؤ گے۔

اے میرے مولوی دوستو اور حافظ دوستو! یہ نہ سوچو کہ ملّا کمتر ہے، حقیر ہے، آج ملّا اس لئے کمتر ہے کہ جسم کے بڑے بکسے کے اندر جو دل کا چھوٹا بکسہ ہے وہ خالی پڑا ہوا ہے۔ اگر ایک بڑا بکسہ ہو اور اس پر بالکل خراب لکڑی لگی ہو، کیلیں بھی ڈھیلی ہو رہی ہیں، فٹنگ بھی اچھی نہیں ہے لیکن اس بڑے بکسے کے اندر چھوٹے بکسے میں ایک کروڑ کا موتی رکھا ہو پھر اس بکسے کی قیمت کیا ہو گی! اسی طرح مولوی کا جسم بڑا بکسہ ہے، اس کے اندر چھوٹا بکسہ دل ہے، اُس دل میں اگر مولوی اہل اللہ کی صحبت سے، ذکر اللہ اور مجاہدہ سے اللہ کی محبت کا

موتی حاصل کرلے تو آج بھی اُمت ان کو سر آنکھوں پر بٹھانے کے لئے تیار ہے۔

تو ایاز والے قصہ میں مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ تم بھی حسینوں کے حسن کے موتی توڑ دو اور اللہ کا حکم مت توڑو، لیکن کیا حسینوں کو پتھر مارو گے؟ مقدمہ ہو جائے گا، پولیس پکڑ لے گی، حسن کے موتی توڑنے کا مطلب سنئے۔

بر زجاجہ دوست سنگ دوست زن
گوہر حق را بہ امر حق شکن

یہ مانا کہ یہ حسین اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے حسین موتی ہیں لیکن خدا ہی کے حکم سے ان کو توڑ دو۔ ہمیں تسلیم کہ یہ اللہ کے بنائے ہوئے شیشے ہیں مگر ان شیشوں پر دوست ہی کے حکم کا پتھر مارو۔ اللہ میاں نے ہمیں یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ کا پتھر دیا ہوا ہے، ان سے نگاہیں جھکانا ان کو توڑنا ہے۔ پھر اس پر کیا ملے گا؟ اسی پر حلاوتِ ایمانی کا وعدہ ہے یعنی خود اللہ تعالیٰ مل جائیں گے۔

حسین شکلوں سے دل لگانے والوں کی مثال

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے دریا میں چاند کا عکس دیکھ کر پانی میں چاند تلاش کرنا شروع کیا تو چاند بھی نہیں ملا اور عکس سے بھی محروم ہو گیا۔ کبھی دریا میں چودھویں رات کے چاند کا عکس نظر آئے اور آپ سوچیں کہ آسمان میں کون اتنی دُور چاند تلاش کرے، یہ تو بہت قریب آ گیا تو اگر دریا میں گھس کر چاند کو ٹٹولو گے تو کیا ہوگا؟ دریا کے نیچے کی مٹی اوپر اٹھے گی اور پانی گدلا ہو جائے گا، عکس بھی نہ ملا اور اصل بھی نہ ملا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان عکسوں کو یعنی حسینوں کو مت دیکھو، میری طرف دیکھو، جب اصل کو پا جاؤ گے پھر ان عکسوں سے بے نیاز ہو جاؤ گے، عکس میں کیا رکھا ہے؟ قبروں میں جانے کے چھ مہینے بعد ان سب کو دیکھ لو۔ جس حسین پر آپ کو رشک آ رہا ہو کہ ہائے میرے ماں باپ نے تو میری قسمت پھوڑ دی، پتا نہیں

کیسی بیوی میرے لئے پسند کرلی، یا کوئی میاں بیوی دونوں حسین ہوں، شوہر بھی حسین اور بیوی بھی حسین لیکن کبھی تو مریں گے اور جب دونوں دفن ہوجائیں تو چھ مہینے کے بعد ذرا قبر میں ان کو تلاش کرو، مٹی ہی مٹی نظر آئے گی۔ اسی لئے پھر وہی اپنا شعر پڑھتا ہوں کہ چہروں پہ مت مرو کیونکہ ؎

اِدھر جغرافیہ بدلا اُدھر تاریخ بھی بدلی
نہ ان کی ہسٹری باقی نہ میری مسٹری باقی

جس حسین کو کم عمری میں دیکھ کر پاگل ہورہے تھے، جب زیادہ عمر میں وہی شکل نظر آئی تو کہتے ہیں کہ اب دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ تو میں نے کہا کہ اب اس پر میرا دوسرا شعر سنو ؎

بگڑا ہوا جغرافیہ دیکھا نہیں جاتا
دیکھا نہیں جاتا ہے مگر دیکھ رہا ہوں

اب دعا کرلیں کہ اللہ تعالیٰ میری حیات میں، مولانا مشرف علی تھانوی کی حیات میں برکت دے اور ہم سے دین کا خوب کام لے لے اور حکیم الامت کے فیوض اور برکات ہمیں عطا فرمادے ؎

یہ اختؔر خاکِ تیرہ بے زباں بے سروساماں ہے
مگر مٹی پہ بھی فیضِ شعاعِ مہرِ تاباں ہے

میں نے مولانا ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم کو خط میں لکھا تھا ؎

مری آتش بیانی بھی ترے آتش فشاں سے ہے
مرے کانٹوں پہ شانِ گل بھی تیرے گلستاں سے ہے
ہمیں احساس ہے تیرے چمن میں خار ہے اختؔر
مگر خاروں کا پردہ دامنِ گل سے نہیں بہتر

اے شیخ! آپ کے دامن کو پکڑے ہوئے ہیں، ہم کانٹے ہیں مگر اے اللہ والو!

تمہارا دامن پکڑے ہوئے ہیں، اس پر یہ شعر میرا سنئے ؎

چھپانا منہ کسی کانٹے کا دامن میں گلِ تر کے
تعجب کیا چمن خالی نہیں ہے ایسے منظر سے

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت بھی ہے کہ اگر تم کانٹے ہو تو اپنا منہ اللہ والوں کے دامن میں چھپالو یعنی ان کے پاس آنا جانا رکھو۔

اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو یَوْمًا فَیَوْمًا سَاعَۃً فَسَاعَۃً ترقی عطا فرمائے، مالی معاملات میں اللہ غیب سے خزانے برسا دے اور کبھی مخلوق کا محتاج نہ فرما۔ اے اللہ! اہلِ خیر کو توفیق عطا فرما کہ وہ خود آکر کے چندہ دیں بجائے اس کے کہ علماء ان کے دروازے پر جائیں۔ اے اللہ! بہت سے اہلِ خیر کو صاحبِ نسبت بنا اور اپنی محبت کے نام پر اپنی رقوم کو لانے کی توفیق عطا فرما اور اپنی محبت اور اپنی خشیت ہمیں نصیب فرما، خشیت اور محبت کے جو پٹرول پمپ ہیں یعنی اہل اللہ، اے خدا! ہمیں اپنے دل کی موٹروں کو ان اللہ والوں کے پاس لے جانے کی توفیق دے، ہمیں اللہ والوں اور مشائخ و مرشدین کی محبت عطا فرما، ہم سب کو اپنی اصلاح کی فکر نصیب فرما، گناہوں سے حفاظت اور طہارت نصیب فرما، ظاہری و باطنی تمام نجاستوں سے ہمیں پاک کردے، ہمارے دل کو اپنی تجلیات کا مرکز بنادے اور اس درجہ ہماری جان کو اے خدا! اپنی ذاتِ پاک سے مانوس فرما کہ ہمیں غیر اللہ سے وحشت ہونے لگے، بالخصوص معاصی سے، چاہے ظاہری ہوں یا باطنی ہوں، سب گناہوں سے ہماری حفاظت فرما، ہمارے دل کا مزاجِ ثانوی بنادے کہ ہم گناہوں کے ان تقاضوں پر غالب آجائیں، یا اللہ! تقاضۂ معصیت کو مغلوب کردے بلکہ کالمعدوم کردے، بالکل معدوم ہونا تو مطلوب نہیں اس لئے کالمعدوم کردے کہ ادنیٰ اشارے سے نفس مسخر ہوجائے کیونکہ اگر تقاضۂ معصیت بالکل معدوم ہوگئے تو نفس کو مخنث بنانا مقصود نہیں ہے، طاقت رہے لیکن ہم اُس

طاقت کو آپ کی راہ میں جلا کر خاک کر دیں۔ جو عشق کا مادّہ ہمیں عورتوں کے پاس لے جانا چاہتا ہے، حسینوں کے پاس لے جانا چاہتا ہے، اے خدا! ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی اس طاقت کو، اس عشق و محبت کو تلاوت میں، ذکر اللہ میں، تہجد میں، سجدوں میں رو رو کر ہم اپنے خون کو جلا کر آپ پر قربان کر دیں۔

ہماری جوانیوں کو اور ہمارے جوان بچوں کو اے اللہ قبول فرما۔ آپ یہ نہ سوچنا کہ اختر بڈھا ہو کر خود کو جوانوں میں شامل کر رہا ہے، میرا دل الحمدللہ بڑھاپا محسوس نہیں کرتا، میری تقریر سے بھی آپ لوگوں کو اندازہ ہوتا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے جوان دل کو بھی قبول فرمالے مگر جسم کے لئے بھی دعا کیجئے کیونکہ کمزوری بہت معلوم ہوتی ہے۔ اے خدا! جانِ نحیفِ اختر کو ایک کروڑ جانِ حنیف عطا کر دے اور اس نحیف کو حنیف کر کے سب اپنی راہ میں قبول فرمالے، یہ دولت ہم سب کو عطا کر دے، مہتمم سے لے کر اساتذۂ کرام، طلباء کرام سب کو اللہ والا بنادے، اور یہ ادارہ خانقاہ تھانہ بھون کا مرکز بن جائے اور وہاں کے فیوض اور تزکیۂ نفس، تعلق مع اللہ، نسبت مع اللہ کا بھی مرکز بن جائے تا کہ یہاں سے جو عالم نکلے وہ صاحبِ نسبت ہو کر نکلے، جو طلباء نکلیں وہ صاحبِ نسبت ہو کر نکلیں، جو خادمین ہیں وہ بھی صاحبِ نسبت ہو جائیں، دینی خدام، اساتذۂ کرام سب پر اپنے کرم کا دریا بہادے، ہم سب پر اپنی رحمت کا دریا کا دریا بہادے، آمین۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

(وعظ کے بعد حضرت والا جامعہ کی قیام گاہ پر اپنے کمرے میں تشریف لے آئے اور علماء اور طلباء بھی حاضرِ خدمت ہوئے۔ اس وقت حضرت والا نے مندرجہ ذیل ملفوظات ارشاد فرمائے۔ جامع)

تصوف اور صوفی کے لفظ کا استعمال کب ہوا؟

ارشاد فرمایا کہ دورِ نبوت میں تصوف اور صوفی کا لفظ مستعمل نہیں ہوا

کیونکہ نبوت کی آغوشِ تربیت میں پلنے والوں کا لقب صحابی تھا، اور صحابی کو صوفی کہنا ان کی توہین تھا، سب سے زیادہ عظمت اسی لفظ سے ظاہر ہوجاتی ہے کہ یہ کون ہیں؟ یہ صاحبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس کے بعد تابعین کا زمانہ آیا، تابعین کو صوفی کہنا بھی ان کی توہین تھی کہ لفظ تابعی بھی اتنا بڑا لفظ تھا کہ یہ شخص صحابہ کا صحبت یافتہ ہے، لہٰذا آفتاب کے سامنے ستاروں کا تذکرہ یہ آفتاب کی عظمت کے خلاف تھا۔ اس کے بعد تبع تابعین کا زمانہ آیا تو تبع تابعین کو بھی لوگ تبع تابعین ہی کہتے تھے۔ مگر صحابی، تابعین اور تبع تابعین ان تینوں القاب کی عظمتوں کے سامنے لفظ صوفی کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ اب جب دوسو برس گزر گئے تو اُمت میں کوئی شخص زیادہ صاحبِ ورع اور صاحبِ عبادت اور صاحبِ زہد و تقویٰ ہوتا تو اس کو لوگ صوفی کہنے لگے اور تصوف کا وجود شروع ہوا۔ اُمت میں جو لوگ علمِ دین کے ساتھ ساتھ زیادہ عبادت گذار اور صاحبِ تقویٰ ہوتے تھے تو ان کو کہا جاتا تھا کہ یہ شخص صوفی ہے، صوفیائے کرام اور تصوف کی طرف ان کی نسبت کر دی جاتی تھی۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ملفوظ میں نے خود پڑھا ہے۔

سلوک، تزکیہ اور احسان کے معنی

(مولانا مشرف علی تھانوی صاحب دامت برکاتہم نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت لے کر اسی عنوان کو اس طرح بیان فرمایا۔ جامع)

''اصل میں سلوک کے معنی ہیں چلنا اور تزکیہ کے معنی ہیں اپنے اندر محاسن کو جذب کر لینا اور اخلاقِ ذمیمہ سے اپنے آپ کو بچانا۔ تزکیہ کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب اخلاقِ ذمیمہ سے بچنا اور اخلاقِ حسنہ پر عمل کرنا انسان کا مزاج بن جائے۔ دوسری بات یہ کہ تزکیہ کے لفظ پر اللہ کی محبت کا اعلان نہیں آیا اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائضِ منصبی میں اس کو شمار کیا گیا ہے لیکن اس پر

اللہ تعالیٰ کی محبت کا اعلان نہیں آیا اور احسان پر اللہ تعالیٰ کی محبت کا اعلان آیا ہے۔ احسان تزکیہ کا وہ مقام ہے جو فطرت بن جائے:

((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ))

(صحیح البخاری: (قدیمی)؛ کتاب الایمان؛ ج ا ص ۱۲)

یہ کَاَنَّکَ تَرَاہُ جب ہی ہوگا جب تزکیہ فطرت بن جائے گا یعنی اس کے خلاف تصور ممکن ہی نہ ہو، اور اس کی تشریح یہ ہے کہ تصوف بابِ تفعّل سے بنا ہے جس کا خاصّہ تکلف ہے یعنی سلوک میں محاسن کو اختیار کرنے اور قبائح سے بچنے میں انسان کو پہلے بتکلف عمل کرنا پڑتا ہے، پھر فطرت اور مزاج بنتے بنتے بنتا ہے۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے صوفی کا لفظ استعمال کرنا خلافِ ادب ہے

''لیکن حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین و تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے لئے تصوف کا لفظ اور صوفی کا لفظ اس لئے اختیار نہیں کیا گیا کیونکہ وہاں تکلف نہیں تھا، حق تعالیٰ نے ان افراد کی فطرت ہی ایسی بنائی تھی جو مزاجِ شریعت اور مزاجِ سنت پر ڈھلی ہوئی تھی۔ اس کے بعد کے دور میں سلوک اور مقامات کے طے کرنے کے لئے تکلف کرنا پڑا، بعد میں جن لوگوں نے سلوک اور تصوف کے مدارج طے کئے ان کے لئے تصوف کا لفظ اختیار کیا گیا، اور ان کو صوفی کہا گیا۔ اس لئے ان کا ماضی جو مجاہدات میں گذرتا ہے وہ تکلف میں ہوتا ہے، انہوں نے یہ تکلف اپنے آپ کو اس کا عادی بنایا تھا، اس کے لئے مشقت کرنی پڑی تھی جبکہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس میں تکلف نہیں کیا بلکہ خلقۃً حق تعالیٰ نے ان کو منتخب ہی اسی مقصد کے لئے کیا تھا۔''

(یہ مضمون سن کر حضرت والا نے فرمایا کہ) میں مولانا مشرف صاحب کو مبارک باد دیتا ہوں، یہ جو آپ نے بیان کیا ہے، اب عرض کر رہا ہوں کہ میرے قلب میں جب آپ نے مجھ سے یہ سوال کیا تو میرے قلب میں یہی بات آئی تھی

لیکن قصداً میں نے اس کا اخفاء کیا، میرے دل میں رکاوٹ آئی کہ تم مت بولو، خاموش رہو، مولانا مشرف کو بولنے دو لیکن جیسے ہی آپ نے تصوف کا لفظ استعمال کیا فوراً بابِ تفعّل کی خاصیت تکلف کی میرے سامنے آ گئی کہ صحابہ اس تکلف سے آزاد اور مستغنی تھے کیونکہ ان کو حقیقتِ تصوف حاصل تھی، وہ حقیقی صوفی تھے اور ہم لوگ مُتَصَوِّف ہیں۔ واقعی بات یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس حقائق تھے اور ان کو اس تکلف کی ضرورت نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے ایسا کر دیا تھا کہ ایک ہی نظر میں ان حضرات کا شریعت پر مزاج ہی مزاجِ ثانی بن جاتا تھا، اللہ کی عبودیت اور اللہ پر جان دینا یہ سب چیزیں ان کا مزاجِ ثانی بن گیا تھا۔

رفاقتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کا غیبی انتظام

دیکھئے! کسی کا ایک محبوب بیٹا ہو اور اسے پردیس بھیجنا ہے تو اس کے لئے وفادار ساتھی تلاش کرتا ہے مثلاً مجھے اپنے بیٹے مظہر میاں کو لاہور بھیجنا ہے اور انہیں کوئی رفیق اور ساتھی دینا ہے تو کیا میں انہیں خراب ساتھی دوں گا؟ کوشش کروں گا کہ بہترین وفادار ساتھی ہو۔ تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑھ کو کون محبوب ہوسکتا ہے؟ لہٰذا حق تعالیٰ نے کائنات میں اُس وقت روئے زمین پر جو بہترین دل و دماغ اور بہترین صلاحیت والے لوگ تھے، جان کی بازی اور وفاداری کے جو کامل ترین انسان تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رفاقت اور صحبت کا حق عطا فرمایا۔ اللہ ہمیں فیضانِ نبوت بھی عطا فرمائے اور اس کے ساتھ فیضانِ نبوت کو قبول کرنے کی صلاحیت والے قلوب بھی عطا فرمائے۔ فیضانِ نبوت اپنی جگہ پر ہے لیکن دیکھو! فیضانِ نبوت ابوجہل پر مؤثر نہیں ہوا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فیضانِ نبوت کو قبول کرنے کی صلاحیت والے دل اور صلاحیت والی روحیں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گرد جمع کر دیں، آپ کے گرد و پیش اُن پروانوں کو جمع کر دیا جو جان دے کر خوش ہوتے تھے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

آفتابِ نبوت پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی جان نثاریوں کا صلہ اللہ رب العزت کی طرف سے یہ عطا ہوا کہ ان کے نام اللہ کا سلام لے کر حضرت جبریل علیہ السلام غارِ حرا میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے درخواست کی کہ خداوندی سلام کے ساتھ ساتھ میری طرف سے بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں سلام کہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے امام جبریل علیہ السلام کا سلام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پہنچایا تو انہوں نے اس سلام کا جو جواب دیا وہ ان کی وفورِ عقل اور کمالِ بلاغت کا بہترین نمونہ ہے۔ فرمایا ''اَللّٰهُ السَّلَامُ وَمِنْهُ السَّلَامُ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَعَلٰى جِبْرِيْلَ السَّلَامُ وَعَلٰى كُلِّ مَنْ سَمِعَ السَّلَامُ اِلَّا الشَّيْطَانَ'' ترجمہ: اللہ پاک تو خود ہی سلامتی والے ہیں، سلامتی انہیں کی جانب سے ملتی ہے، (اے نبی) آپ پر سلام، جبریل پر سلام اور ہر اس شخص پر جو (اس واقعہ کو) سنے سلام مگر شیطان پر نہیں۔ (ص ۱۴)

غزوۂ تبوک (سال ۹ ہجری) میں یہ معجزہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ابھی تبوک میں ہی تشریف فرما تھے کہ مدینہ منورہ میں صحابی معاویہ بن معاویہ اللیثی المزنی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ ان کی وفات کے دن حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان کی وفات کی خبر دی حالانکہ مدینہ اور تبوک کے درمیان چودہ مرحلے (تقریباً سات سو کلومیٹر) کا فاصلہ تھا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے معاویہ کی نمازِ جنازہ کے لئے ستّر ہزار فرشتے نازل کئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا کہ وہ کیوں؟ عرض کیا کیونکہ وہ کھڑے بیٹھے اور چلتے پھرتے سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے۔ بعد ازاں جبریل علیہ السلام نے زمین کو سمٹا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے تبوک میں ان کا جنازہ پڑھا، فرشتوں نے دو صفیں بنائیں اور جو پہاڑ اور ٹیلے درمیان میں حائل تھے انہیں ہاتھ کے اشارے سے ہٹا دیا، یہاں تک کہ نماز کے دوران جنازہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نظر آرہا تھا۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام آسمان پر تشریف لے گئے۔ (از کتاب عہدِ نبوت کے ماہ و سال ص ۳۵۲)

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کا واقعہ۔ حصہ اول

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم عین دوپہر کے وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کی اجازت ہوگئی ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، کیا اس ناچیز کو بھی ہم رکاب ہونے کا شرف حاصل ہو سکے گا؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو پڑے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سے پیشتر مجھ کو گمان نہ تھا کہ فرطِ مسرت سے بھی کوئی رونے لگتا ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی سے ہجرت کے لئے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں۔ جب رات کا وقت آیا اور تاریکی چھا گئی تو قریش نے قتل کے ارادے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کو گھیر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ میری سبز چادر اوڑھ کر میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور ڈرو مت! تم کو کوئی کسی قسم کی گزند نہ پہنچا سکے گا۔ قریش اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے لیکن آپ کو صادق وامین سمجھتے تھے اور امانتیں آپ ہی کے پاس رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب امانتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیں کہ صبح کو یہ امانتیں لوگوں تک پہنچا دینا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں سے ایک مشت خاک لئے ہوئے باہر تشریف لائے اور اس پر سورہ یٰس کی شروع کی آیات پڑھ کر کفار کے سروں پر ڈال دی، اللہ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے سے گذر گئے اور کسی کو نظر نہ آئے۔ یہاں سے نکل کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر گئے اور ان کو ہمراہ لے کر جبلِ ثور کا راستہ لیا اور وہاں جا کر ایک غار میں چھپ گئے۔ جب صبح ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر سے اٹھے تو کفار نے ان سے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا مجھ کو علم نہیں۔ کفارِ قریش نے تمام شب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا محاصرہ تو رکھا مگر مکان کے اندر نہیں گئے، اس لئے کہ اہلِ عرب کسی کے زنانہ مکان میں گھسنے کو معیوب سمجھتے تھے۔ بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے تو ٹیلے پر سے ایک نظر ڈال کر مکہ کو دیکھا اور فرمایا! خدا کی قسم! تُو اللہ کی سب سے بہتر زمین ہے اور سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک محبوب ہے، اگر میں نکالا نہ جاتا تو نہ نکلتا (ترمذی) ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ تُو کیا ہی پاکیزہ شہر ہے اور مجھ کو بڑا ہی محبوب ہے، اگر میری قوم مجھ کو نہ نکالتی تو میں دوسری جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے سفر کے لئے ناشتہ تیار کیا تو عجلت میں بجائے رسی کے اپنا پٹکا پھاڑ کر ناشتہ دان باندھا۔ اسی روز سے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ذات النطاقین (دو پٹکوں والی) کے نام سے موسوم ہوئیں، ایک ٹکڑے سے توشہ دان باندھا اور دوسرے سے مشکیزہ کا منہ بند کیا۔ عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے اور جوان تھے، وہ دن بھر مکہ میں رہتے اور رات کو آ کر قریش کی خبریں بیان کرتے، اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام) بکریاں چَرایا کرتے تھے تو عشاء کے وقت آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بکریوں کا دودھ پلا جاتے تھے۔ عبداللہ بن اریقط دوئلی کو رہبری کے لئے اجرت پر مقرر کیا اور اونٹنیاں اس کے سپرد کیں کہ دونوں کو تیسرے دن جبلِ ثور پر لے کر حاضر ہو جائے اور غیر معروف راستہ سے لے کر مدینہ جائے۔ (بقیہ اگلے وعظ میں ۔۔۔) (ماخوذ از سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم از مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، ج ۱ ص ۳۴۶)

یہ کتاب ادارہ ہذا سے بلا معاوضہ ھدیۃً تقسیم کی جاتی ہے
اس کی خرید و فروخت کی اجازت نہیں ہے